بیسویں صدی میں اردو سیرت نگاری کے مناہج واسالیب

سید عزیز الرحمٰن☆

ABSTRACT

The contemporary sciences under a secularist- materialist world view have led the humankind to serious consequences by denying the spiritual and religious dimensions of knowledge. Consequently, the humankind's material comfort is portrayed as an alternate to true happiness of soul and body. This problem is acute in social sciences, because it does not influence only an individual in its personal capacity but it also has an impact on the whole society. This has effected the economic, social and political environment which needs a paradigm shift in the light of divine knowledege. This paper attempts to highlight the impact of modern epistemology on 20th century *Sirah* literature and suggests how these developments in social sciences can be utilized in *Sirah* writings without disturbing it's divine nature.

اردو زبان اپنی وسعت، پھیلاؤ اور قوتِ انجذاب کی وجہ سے بے پناہ امکانات کی حامل ہے۔اہلِ قلم نے ان امکانات سے اپنے اپنے انداز میں اپنے اپنے مقام پر خوب استفادہ کیا ہے، جس کے نتیجے میں آج یہ زبان مختلف علوم و فنون کے حوالے سے مالا مال ہے۔ ان میں علمِ سیرت سرِفہرست ہے۔ اردو میں

☆ انچارج، ریجنل دعوہ سنٹر (سندھ)، کراچی

سیرت نگاری، اس کے ادوار اور اس کے مباحث و مضامین علیحدہ سے توجہ طلب ہیں۔ جن میں اردو میں تحریر کی گئیں کتب سیرت کی فہارس سازی بھی شامل ہے[1]، اور اس عہد میں شائع ہونے والی کتاب کا تعارف و تجزیہ بھی[2]۔ اردو سیرت نگاری کا جائزہ لینے اور اس کا مقام متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اسالیب کا جائزہ لیا جائے کیوں کہ لٹریچر میں اسالیب کی اہمیت مسلم ہے اور سب سے پہلے انسان کو جو چیز متاثر کرتی ہے وہ تحریر کا اسلوب ہی ہوتا ہے، نیز اس امر کا جائزہ لینے کے لیے بھی اسلوب کی اہمیت مسلم ہے کہ تحریر کا معاصر ادب سے کیا تعلق ہے اور عصری رجحانات سے یہ تحریر کس حد تک متاثر ہے اور عصری ضرورتوں کا کس قدر ادراک رکھتی ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ کسی قلم کار کی کا ارتقا بھی اس کے اسلوب کو جانے بغیر نہیں معلوم کیا جا سکتا۔

اسالیب کی بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے مناسب ہے کہ اس امر کی وضاحت کر دی جائے کہ اردو میں موجود کتب سیرت کا احاطہ کرتے ہوئے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اردو کتب سیرت کا اس طرح کوئی مخصوص اسلوب متعین کرنا ممکن نہیں کہ اس کتاب میں کوئی دوسرا اسلوب موجود ہی نہ ہو، ہر کتاب عام طور پر بہ یک وقت کئی اسالیب کی حامل ہے، اس بنا پر کتاب کو واضح طور پر کسی ایک اسلوب تک محدود کرنا مشکل ہے۔ دوسرے اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مختلف اسالیب کے ذیل میں جن کتب سیرت کا تعارف کرایا گیا ہے، وہ محض مثال کے لیے ہے، تاکہ اس اسلوب سے ہماری جو مراد ہے، وہ واضح ہو سکے۔ یہاں کسی اسلوب کے تحت تحریر شدہ کتب کا احاطہ مقصود نہیں ہے۔

۱- اس موضوع پر ماضی میں ہونے والے کام کے ساتھ ساتھ حال میں برادرم حافظ محمد عارف گھانچی مدیر ''جہانِ سیرت'' زیادہ سرگرم ہیں۔ ان کی ترتیب دی ہوئی موضوعاتی فہارس **ششماہی السیرۃ عالمی** اور **کتابی سلسلے، جہانِ سیرت** میں گزشتہ چند برسوں سے تواتر و تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہی ہیں۔ ان کی ایک کتاب **جدید اردو کتابیاتِ سیرت** ۱۴۰۰ھ تا ۱۴۳۰ھ- ۱۹۸۰ء تا ۲۰۰۹ء، کراچی، دارالعلم والتحقیق سے شائع ہو چکی ہے۔

۲- اس موضوع پر مکمل کام کی ضرورت تو واضح ہے، البتہ راقم ایک خطبہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے زیر اہتمام ۲۶ نومبر ۲۰۰۹ء کو ''پاکستان میں سیرت نگاری، ایک ساٹھ سالہ جائزہ'' کے موضوع پر پیش کر چکا ہے، جو اس کے ایک مختصر سے حصے کا احاطہ کرتا ہے، پھر چونکہ یہ ایک طالب علمانہ کاوش ہے، جو محض تعارف اور مختصر تبصرے پر مبنی ہے، اس لیے اس موضوع پر کام کی ضرورت علیٰ حالہ برقرار ہے۔

اسلوب اور منہج: لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے

لغوی اعتبار سے نہج، منہج اور منہاج: واضح راستے کو کہتے ہیں۔نہج الطریق النہج، استنہج:راستہ واضح ہونا۔ نهج الطريق و أنهجه:راستے کو واضح کرنا۔نہجہ:روش اختیار کرنا(۳)۔

اور اصطلاحی اعتبار سے منہج قواعد و ضوابط کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جو عالمانہ/علمی بحث کو مرتب و منظم کرے۔ڈاکٹر عبدالرحمان بدوی کے نزدیک ''منہج'' کی تعریف درج ذیل ہے:

> ایسے قواعد کا مجموعہ جن کے ذریعے علوم کی تہہ تک رسائی کا راستہ اختیار کیا جا سکے اور معین نتیجے تک پہنچنے تک یہ قواعد عقل کے ساتھ رہیں اور عقلی جولانیوں کی حدود متعین کریں(۴)۔

ڈاکٹر قاسم عبدہ قاسم کہتے ہیں:

> منہج نام ہے عقل کی ان استدلالی جدوجہد کے مجموعے کا جن کے ذریعے عقل علم کی مشکلات حل کرتی ہے اور تاریخ کے کسی مرحلے میں علم کی اساس مہیا کرتی ہے(۵)۔

اردو میں اسالیب کی بحث کرتے ہوئے اس کی یہ تعریف متعین کی گئی ہے:

> اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طریقۂ ادائے مطلب یا خیالات و جذبات کے اظہار و بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو اس خاص صنف کی ادبی روایت میں مصنف کی اپنی انفرادیت (انفرادی خصوصیات) کے شمول سے وجود میں آتا ہے اور چونکہ مصنف کی انفرادیت کی تشکیل میں اس کا علم، کردار، تجربہ، مشاہدہ، افتادِ طبع، فلسفۂ حیات اور طرزِ فکر و احساس جیسے عوامل مل کر حصہ لیتے ہیں، اس لیے اسلوب کو مصنف کی شخصیت کا پرتو اور اس کی ذات کی کلید سمجھا جاتا ہے(۶)۔

محاضراتِ سیرت میں ہمارے عہد کے نام ور محقق اور عالم ڈاکٹر محمود احمد غازی نے جدید اردو سیرت نگاری کے یہ چند اسالیب شمار کرائے تھے۔

۳- ڈاکٹر عبدالرحمان بدوی، **مناہج البحث العلمی**، القاہرہ، دار النہضۃ العربیۃ، ۱۹۶۴، ص۵

۴- ایضاً

۵- **تطویر مناهج البحث فی الدراسات التاریخیه**، ص۱۶۹

۶- **کشاف تنقیدی اصطلاحات**، مرتبہ ابو الاعجاز، حفیظ صدیقی، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء ص۱۳

۱- سیرت نگاری کا روایتی اسلوب ۲- سیرت نگاری کا تجزیاتی اسلوب
۳- سیرت نگاری کا موضوعاتی اسلوب ۴- سیرت نگاری کا عسکری پہلو
۵- سیرت نگاری کا انتظامی پہلو ۶- سیرت نگاری کا جدید تاریخی پہلو
۷- سیرت نگاری کا کلامی اسلوب ۸- سیرت نگاری کا مناظرانہ اسلوب
۹- سیرت نگاری میں تجدیدی اور احیائی رجحانات
۱۰- سیرت کے جامع تر مطالعہ کا رجحان ۱۱- سیرت نگاری اور مغربی اسلوب استدلال
۱۲- سیرت نبویؐ قرآن پاک کی روشنی میں ۱۳- سیرت کانفرنسیں اور مسند ہائے سیرت
۱۴- مجلّہ ہائے سیرت ۱۵- مراکز مطالعۂ سیرت (۷)

اس فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض موضوعات ایک دوسرے کا تتمہ یا گفتگو توسیع ہیں۔ ہماری گفتگو چونکہ اسلوب کی فنی تقسیم اور اس کی مثالوں تک محدود رہے گی۔ جن کی اردو سیرت نگاری میں اہمیت مسلم ہے۔ اس لیے ایسی سہولت کے لیے ہم نے عنوانات کا انتخاب کیا ہے۔ یہ عنوانات درج ذیل ہیں:

۱- تالیفی/سوانحی/روایتی/بیانیہ اسلوب ۲- محدثانہ اسلوب
۳- فقہی اسلوب ۴- کلامی/مناظرانہ اسلوب
۵- جدلی اسلوب ۶- درایتی اسلوب
۷- تحقیقی و تجزیاتی اسلوب/مغربی اسلوبِ تحقیق/تقابلی مطالعاتی اسلوب
۸- ادبی اسلوب ۹- صوفیانہ اسلوب/سیرتِ طیبہ کا روحانی پہلو
۱۰- فلسفیانہ اسلوب ۱۱- دعوتی اسلوب
۱۲- سیرتِ طیبہ کا اطلاقی پہلو ۱۳- خطابتی اسلوب

اگلی سطور میں ہم اردو سیرت نگاری میں رائج نمایاں اسالیب اور رجحانات کا جائزہ لیں گے اور ان اسالیب کی نمائندہ کتب کا مختصر تعارف پیش کیا جائے گا۔ ہماری کوشش ہوگی کہ یہ جائزہ محض تعارف تک محدود نہ رہے، بلکہ کتب کے مباحث اور مضامین کے ساتھ ساتھ ان کے اسالیب کی نمایاں خصوصیات اور امتیازات کا اختصار کے ساتھ تجزیہ پیش کیا جاسکے۔ واللہ الموفق و المستعان وعلیہ التکلان

۷- ڈاکٹر محمود احمد غازی، **محاضراتِ سیرت**، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، اشاعت سوم ستمبر، ۲۰۰۹، ص ۶۵۱، ۶۵۲

۱- تالیفی/سوانحی/روایتی/بیانیہ اسلوب

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سیرت نگاری کا آغاز محدثانہ اسلوب سے ہوا۔ ابتدا میں اسلوب یہ تھا کہ مغازی یا سیر کے نام سے واقعاتِ سیرت کو علیحدہ علیحدہ سند کے ساتھ بیان کیا جاتا تھا اور اس میں سند اور رواۃ کا بالالتزام ذکر ہوتا تھا، نیز اس سلسلے میں محدثانہ اسلوب کی دیگر خصوصیات بھی موجود ہوتی تھیں، مثلاً ایک واقعہ یا اس واقعے کا کوئی جزوی حصہ اگر دس طرق سے، دس مختلف راویوں سے منقول ہے تو اسے اسی ترتیب کے ساتھ مکمل وضاحت سے ذکر کیا جاتا تھا۔ یہ اسلوب ابتدائے عہد میں رائج رہا، مگر اسی دور میں خصوصاً سیرت نگاری کے لیے اسے زیادہ مفید نہ سمجھتے ہوئے اہلِ سیر نے اس اسلوب کو مؤرخانہ اسلوب سے تبدیل کر دیا تھا۔ غالباً سب سے پہلے حضرت عروہ بن زبیرؒ نے یہ اسلوب اختیار کیا کہ وہ ایک واقعے کی تمام تفصیلات کو یک جا کر کے مرتب کر دیتے تھے،اوراس سلسلے کی اسناد اور رواۃ کو ابتدا میں بیان کر کے بعد میں تفصیلات بیان کرتے چلے جاتے تھے۔ یہی اسلوب بعد میں اپنی ترقی یافتہ شکل میں ابنِ اسحاق، ابنِ ہشام، واقدی اور موسیٰ بن عقبہ وغیرہ کے ہاں نظر آتا ہے۔اور بعض جلیل القدر محدثین کے ہاں بعض ائمہ سیرت مثلاً محمد بن عمر واقدیؒ اور محمد بن اسحاقؒ کے متعلق جو سخت جرح نظر آتی ہے تو اس کا سبب بھی ان ائمہ سیرت کا محدثین سے ہٹا ہوا مؤرخانہ اسلوب ہے۔مؤرخانہ اسلوب کے بعد مؤلفانہ اسلوب شروع ہوا جس کی وضاحت ڈاکٹر محمود احمد غازی کے الفاظ میں یوں ہے کہ ''سیرت کے مختلف مأخذ اور کتب کو سامنے رکھ کر ایک تصنیفی انداز میں جس میں ایک مرتب، مربوط اور کامل کتاب لکھی جاتی ہے سیرت پر کتابیں تیار کی جائیں''(۸)۔ یہ اسلوب تیسری صدی ہجری میں رائج ہوا اور آج ہمارے سامنے موجود اردو سیرت نگاری اسی اسلوب کی نمائندگی کرتی ہے۔

اردو میں اس اسلوب میں لکھی گئی کتب کو شمار کرنا بجائے خود ایک موضوعِ تحقیق ہے۔مختصر یہ کہ اردو میں لکھی گئی کتب کا نوے فیصد حصہ اسی اسلوب کے ذیل میں آیا ہے، اور مشہور ترین اردو کتبِ سیرت اسی اسلوب میں تحریر کی گئی ہیں۔

اس مضمون میں ان کتب میں سے اگر ہم چند کتب کا انتخاب کریں تو یہ محض انتخاب ہوگا، جس کا مفہوم یہ قطعاً نہیں ہے کہ اس انتخاب میں شامل نہ ہونے والی کتب اس فہرست میں شامل نہیں کی جاسکتیں، یا ان کا مقام ان سے فروتر ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا، زیادہ تر کتبِ سیرت تالیفی اسلوب میں لکھی گئی ہیں۔ ان کا مقصد قاری کو بیانیہ

۸- محاضراتِ سیرت، ص۲۰۲

انداز میں نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہؐ اور آپ کی سیرتِ طیبہ کے سوانحی پہلو سے روشناس کراتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس اسلوب کو ہم بیانیہ یا روایتی اور سوانحی اسلوب بھی کہہ سکتے ہیں۔یہ کتب نبی کریم ﷺ کی بعثت و ولادتِ مبارکہ سے قبل کے حالات اور واقعات سے شروع ہوتی ہیں اور ان میں عربوں کی حالت، جزیرۃ العرب کے جغرافیے اور اقوامِ عالم کی اس وقت مذہبی و سماجی کیفیت بھی بیان کی جاتی ہے،پھر واقعاتِ سیرت کو ترتیب وار بیان کر کے آپ ﷺ کے اخلاقی پہلوؤں اور اسوۂ حسنہ کا بیان ہوتا ہے۔اردو کی معروف کتبِ سیرت اسی اسلوب کی حامل ہیں۔ ذیل میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اس سلسلے کی اہم ترین کتب میں تاریخی اعتبار سے سب سے پہلے مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تالیف ''سیرتِ مصطفیٰ ؐ'' ہے۔سوانحی/تالیفی اور بیانیہ اسلوب میں لکھی جانے والی کتب میں یہ کتاب ایک جامع تالیف قرار دی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے، اور سوانحی اسلوب میں حیات طیبہؐ کے تمام اہم پہلوؤں کا جزئیات کے ساتھ استقصا کرتی ہے۔کتاب کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بعض ضمنی مباحث پر بھی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتی ہے، مثلاً غزوات پر بات کرتے ہوئے جہاد اور آداب جہاد پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے،اور اس کے ساتھ ساتھ مسئلہ غلامی،اسلام اور جبر وغیرہ موضوعات پر بھی کلام کیا گیا ہے[9]۔ کتاب کے آخر میں آپ ﷺ کی بشارتوں اور پیشین گوئیوں کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے کتاب کا اختتام خصائصِ نبویؐ پر کیا گیا ہے۔کتاب کا اسلوب نہایت سادہ اور مولانا کاندھلوی کی دیگر کتب کے مقابلے میں بہت سلیس ہے۔ اس کتاب کے چند مباحث کا تعارف فقہی اسلوب میں بھی آرہا ہے۔

اس موضوع پر دوسری اہم کتاب مولانا عبدالرؤف دانا پوری کی ''اصح السیر'' ہے۔یہ کتاب بھی عام بیانی اسلوب میں واقعاتِ سیرت کو پیش کرتی ہے مگر مؤلف سیرت نگاری نے بعض بیانات کا محاکمہ بھی کیا ہے[10]۔

جسٹس پیر کرم شاہ الازہری کی ''ضیاء النبی ﷺ'' بھی اس اسلوب کی اہم کتاب ہے۔ یہ ضخیم کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے، جس میں دو جلدیں مطالعۂ استشراق کے لیے مختص کی گئی ہیں۔ یہ جلدیں علامہ عبدالرسول ارشد کے قلم سے ہیں۔ ان جلدوں کا تعارف آگے آرہا ہے۔

شاہ مصباح الدین شکیل کی ''سیرت احمد مجتبیٰؐ''، حکیم محمود احمد ظفر کی ''سیرت خاتم النبیینؐ''، محمد رفیق ڈوگر کی ''الامینؐ''، خالد مسعود کی ''حیات رسولِ امی ﷺ'' اور نعیم صدیقی کی ''محسنِ انسانیتؐ'' بھی اسی اسلوب کی اہم اور نمائندہ کتب قرار دی جاسکتی ہیں۔ خاص طور پر نعیم صدیقی چوں کہ بنیادی طور پر ایک صحافی تھے۔ اس

۹۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، **سیرت مصطفیٰ ﷺ**، ج۲، ص۲۰،۴۳

۱۰۔ مولانا عبدالرؤف دانا پوری، **اصح السیر**، کراچی، میر محمد کتب خانہ، س ن، ص ۶۵۶

بنا پر ان کا اسلوب صحافیانہ ہے، اس کے سبب عوام الناس کے لیے یہ کتاب زیادہ مفید ہے،کیوں کہ انہوں نے سادہ اسلوب میں واقعاتِ سیرت کا خلاصہ پیش کردیا ہے۔ جسے پڑھ کر ہر شخص کے سامنے واقعاتِ سیرت کا ایک خاکہ تسلسل کے ساتھ آجاتا ہے(۱۱)۔

۲- محدثانہ اسلوب

سیرتِ طیبہ کا آغاز ہی محدثانہ اسلوب میں ہوا ہے، اس لیے کہ خودفنِ سیرت آغاز میں فنِ حدیث کا ہی ایک حصہ تھا، رفتہ رفتہ فنِ حدیث ارتقا اور ذیلی فنون وعناوین میں تقسیم ہوتا چلا گیا۔ قانون بین الممالک، مغازی، شمائل، تاریخ، تفسیر سب اسی ایک علم کی ذیلی شاخیں ہیں۔علم وفن کے ارتقا کا یہ سفر اور آگے بڑھا تو مغازی نے فنِ سیرت کی شکل اختیار کی اور پھر شمائل بھی اس کا ایک حصہ قرار پائے۔ آج بھی دیکھا جائے توشمائلِ نبوی ﷺ پر سب سے اہم اور سب سے جامع کتاب ''ترمذی'' ہے، جو اصلاً کتاب حدیث بھی ہے۔ امام ترمذی کے اس اسلوب کی جھلک جو انہوں نے اپنی کتابِ حدیث ''الجامع السنن'' میں اختیار کیا ہے (جو سنن ترمذی کے نام سے معروف ہے) ''الشمائل المحمدیہ'' میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

محدثانہ اسلوب میں سیرت کا سب سے بڑا ذخیرہ کتب حدیث میں ہے، خود صحاحِ ستہ، پھر صحیحین میں سیرت کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے،کچھ حضرات نے اسے یک جا کرنے کی بھی کوشش کی ہے(۱۲)۔

محدثانہ اسلوب سے دو مفہوم مراد ہو سکتے ہیں: ایک تو وہ قدیم اسلوب ہے جس میں فنِ سیرت نگاری کا آغاز ہوا،جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے،جس میں ہر بات علیحدہ علیحدہ سند کے ساتھ، رواۃ کا ذکر بالالتزام کرتے ہوئے بیان کی جائے۔ آغاز میں ایسا ہی ہوا، گوضرورت کے تحت یہ اسلوب ترک کیا گیا اور خصوصاً حضرت عروہ بن زبیرؓ نے مؤرخانہ اسلوب کو رواج دیا،جس کا ذکر قبل میں ہم کر چکے ہیں۔

دوسرا مفہوم یہ ہے اور آج بھی یہی مفہوم مروّج ہے، اور ہم اسی پر گفتگو کا ارادہ رکھتے ہیں کہ سیرت پر تحریر کرتے ہوئے کتبِ حدیث اور روایاتِ حدیث سے اعتنا کیا جائے، اور صرف انہیں ہی پیشِ نظر رکھا جائے۔ اگر اس سلسلے میں مؤلفینِ کتبِ سیرت کے اپنے بیانات کو سامنے رکھا جائے تو تمام اہم کتب محدثانہ اسلوب میں ہی تحریر کردہ قرار دی جائیں گی۔ علامہ شبلی یہی کہتے ہیں، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے ''سیرتِ مصطفیٰ'' کے مقدمے میں یہی تحریر فرمایا ہے، مولانا عبدالرؤف داناپوری ''اصح السیر'' میں اور مولانا صفی الرحمن مبارک پوری ''الرحیق المختوم'' میں یہی فرماتے ہیں۔ سب کا اپنا بیان یہی ہے کہ انہوں نے صحیح احادیث سے

۱۱- نعیم صدیقی، **محسن انسانیت**، لاہور، الفیصل ۲۰۰۳ء، ص۶۱۲

۱۲- مثلاً **السیرۃ النبویہ فی الصحیحین**، دکتور سلیمان بن العودہ

استفادہ کیا ہے۔ مگر ہمارے خیال میں یہ بیانات بڑی حد تک درست ہونے کے باوجود ان میں اضافے کی بھی گنجائش ہے۔

اصل میں اس موقع پر یہ بحث ناگزیر ہے کہ فنِ سیرت میں کتب حدیث سے کس حد تک استفادہ ممکن ہے اور اگر کتبِ حدیث سے استفادے کے ساتھ ساتھ کتبِ سیرت و تاریخ سے استفادہ ناگزیر ہو جائے تو روایات سیرت کے لیے جرح و تعدیل اور جانچ پرکھ کے کون سے اصول قابل عمل ہوں گے؟ اس سوال کے جواب کے لیے ایک اصولی بات مدنظر رہنی چاہیے، وہ یہ کہ ماخذ سیرت میں سب سے پہلے قرآن حکیم ہے، جس میں سیرت طیبہ کا بیشتر بنیادی لوازمہ موجود ہے، اور اس موضوع پر خصوصاً اردو سیرت نگاروں نے خصوصیت سے اعتنا کیا ہے۔ دوسرا بڑا اور اہم ترین ماخذ حدیث ہے، جس میں واقعاتِ سیرت قدرے تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے، اور تمام اہل تحقیق کے ہاں مسلم بھی۔ مگر بحث صرف یہ ہے کہ کیا صرف قرآن حکیم کو سامنے رکھ کر یا قرآن حکیم اور کتبِ حدیث (اور ان میں بھی صرف صحیح و مستند کتبِ حدیث) کو سامنے رکھ کر مکمل سیرت طیبہ اپنی تمام جزوی تفاصیل کے ساتھ بیان کی جا سکتی ہے؟ اور اگر کوئی تفصیل نہ تو قرآن حکیم میں ہے، نہ صحیح کتبِ حدیث میں تو پھر کتبِ سیرت و تاریخ سے استفادے کے لیے کیا منہج اختیار کیا جائے، اور اگر بعض شرائط کے ساتھ مشروط کر کے کتبِ سیرت و تاریخ سے استفادہ ممکن ہے تو کیا کتبِ سیرت و تاریخ کی روایات کے لیے وہی اصول وضوابط اسی شدت کے ساتھ اختیار کیے جائیں گے جو فنِ حدیث کا امتیاز ہیں؟ یہ مشکل سوال اہلِ سیر کے ہاں ہمیشہ پیشِ نظر رہا ہے، اور درمیان کی راہ نکالنے کی ہمیشہ کوشش کی گئی ہے،عہد جدید میں تمام عرب کے اہم سیرت نگار ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی عربی کتاب **السیرة النبویہ الصحیحة** اس اسلوب کی نمائندہ ترین کتاب قرار دی جا سکتی ہے، جس کا اردو ترجمہ ''سیرت رحمتِ عالم'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے[۱۳] اس کے مقدمے میں ڈاکٹر عمری نے اپنے منہجِ تحقیق پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے،ان کے چند بیانات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

اگر تاریخی روایات درجہ بالا شرائط کے مطابق صحیح حدیث کے درجہ تک نہ پہنچتی ہوں تو ان کے طرق کی تعداد، مع جو کچھ اس واحد تاریخی مسئلے سے متعلق ہو، کو دیکھا جائے گا، نیز اس کے ساتھ موافقت اور مخالفت کو نگاہ میں رکھا جائے گا۔ اگر خبر واحد کے مصادر متعدد ہوں تو وہ راویوں کے جھوٹ پر اتفاق کو ناممکن بنا دیتے ہیں۔لیکن تاریخی روایت کے ساتھ تعامل کے وقت محدثین کے منہج کو پیش نظر رکھنا چاہیے[۱۴]۔

لیکن ضعیف روایات جن کی کسی ذریعے سے تقویت ہوئی ہو اور نہ تائید تو ان سے اس رخنے کو پُر

۱۳- ڈاکٹر ضیاء اکرم العمری، **سیرت رحمتِ عالم ﷺ**، مترجم: خدا بخش کلیار، لاہور،نشریات ۲۰۰۷ء

۱۴- ایضاً، ص ۴۳

کرنے میں فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے جسے نہ صحیح روایات پُر کرتی ہوں اور نہ حسن، بشرطیکہ ان کا تعلق عقیدے اور شریعت سے نہ ہو۔ کیوں کہ اصول یہ ہے کہ: ''جس بات کا تعلق عقیدے اور شریعت سے ہو وہاں ضعیف روایت کو نہیں لیا جائے گا''(۱۵)۔

لیکن شہروں کی حدود کی تعیین اور نہروں کی کھدائی میں آباد کاری سے متعلقہ تاریخی روایات، میدانِ جنگ اور مجاہدین کی شجاعت اور ان کی قربانیوں پر دلالت کرتی ہوئی داستانوں سے متعلق تساہل میں کوئی حرج نہیں(۱۶)۔

بلا شبہ احادیث کی کتابیں سیرت کی روایات کی بڑی مقدار پر مشتمل ہیں، تاہم وہ تمام واقعات کا احاطہ نہیں کر پاتیں۔ لہٰذا سیرت و تاریخ کی کتابوں میں درج روایات کے لیے حدیث کی طرح کی تنقید کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے(۱۷)۔

سیرت سے متعلقہ بعض موضوعات جن کے ساتھ دور حاضر کی تحقیقات نے جو فقط سیرت و تواریخ کی کتابوں پر منحصر ہیں، انصاف نہیں کیا، مثلاً ''نظام المواخات'' اور ''وثیقہ'' جو نبی ﷺ نے ہجرت کے آغاز میں دستورِ مدینہ کے طور پر تیار فرمایا، میں ترمیم، مگر ہمیں ترمیم میں اتنا مبالغہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ سیرت کی اس شکل کو بدل دے جو کہ قدیم سیرت کی کتابوں سے ظاہر ہوتی ہے(۱۸)۔

ان بیانات سے جو بات متبادر ہوتی ہے وہ اسی قدر ہے کہ سیرتِ طیبہؐ پر مفصل بحث کرتے ہوئے کتبِ سیرت و تاریخ سے اعتنا نہ صرف ناگزیر ہے، بلکہ اسی ضمن میں جانچ پرکھ اور جرح و تعدیل کے لیے قواعدِ فنِ حدیث کی شرائط کو بھی نرم کیا جائے گا۔ نہ تو کسی بات کا صحاحِ ستہ یا بخاری و مسلم میں مذکور ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بات اسی طرح ہے، نہ اس کی تفاصیل میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے، نہ جزئیات میں۔ اور نہ کسی بات کا صحیحین یا صحاح ستہ وغیرہ میں مذکور نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ بات سرے سے اپنا وجود ہی نہیں رکھتی یا اس کا وجود سراسر مشکوک و شبہات کی دھند میں لپٹا ہوا ہے۔اس بات کی وضاحت ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری اپنی کتاب کے ایک اور مقام پر ایک حاشیے میں مثال کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں۔

صحیحین میں وارد ہوا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بنو مصطلق پر اس حال میں حملہ کیا کہ وہ غارت گری کر

۱۵- ایضاً، ص ۴۴

۱۶- ایضاً

۱۷- ایضاً، ص ۴۵

۱۸- ایضاً، ص ۴۷

رہے تھے۔ یعنی آپؐ نے بغیر اعلان کے اچانک حملہ کیا۔ یہ چیز نبی ﷺ کے اس منہج و طریقے کے خلاف ہے جو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

و اما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیھم علیٰ سواء(۱۹)

اور اگر کبھی تمھیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو اعلانیہ اس کے آگے پھینک دو۔

سیرت کی کتابیں واضح کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے بنو مصطلق کو خبردار کیا تھا۔ اب اگر دشمن کو خبردار کرنے کے متعلق اسلام کا واضح حکم سمجھے بغیر صحیحین کی روایت پر ہی اکتفا کرلیں تو یقیناً ہم غلطی اور الجھن میں پڑ جائیں گے(۲۰)۔

مذکورہ معنی میں محدثانہ اسلوب اور اس پر شدت کے ساتھ زور دینے کی وجہ سے بہت سے مسلّمات سے انکار کا بھی ایک رجحان پیدا ہوا، جس کی قباحت کا ڈاکٹر عمری کو بھی احساس ہے۔ مثال کے طور پر بعض حضرات نے صرف اس بنا پر کہ میثاقِ مدینہ کا متن کسی معروف کتابِ حدیث میں نہیں ہے، انکار کر دیا، ڈاکٹر عمری نے اس کے تمام امکانات پر بحث کی ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس معاملے میں اتنی شدت مناسب نہیں اور میثاقِ مدینہ اور اس نوع کے دوسرے واقعات نہ صرف مستند ہیں بلکہ اس سلسلے میں کتبِ حدیث کے علاوہ دیگر کتب سے استفادہ درست اور ناگزیر ہے(۲۱) جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ محدثانہ اسلوب میں سیرت نگاری کا دعویٰ تو بہت سے سیرت نگاروں نے کیا ہے، مگر اردو میں بعض ایسی چیزیں بھی مرتب ہوئی ہیں جو صرف روایاتِ سیرت پر مشتمل ہیں۔ ان میں غالباً سب سے اہم کام مولانا محمد ابراہیم فیضی کے قلم سے ''ششماہی السیرہ'' کے صفحات میں قسط وار شائع ہو رہا ہے(۲۲) اس میں فاضل محقق کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ایک موضوع پر تمام روایات جمع کر دیتے ہیں اور تاریخی تسلسل سے بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس اسلوب میں ایک تو روایات کا تکرار عام قاری کے لیے غیر مفید ہے، دوسرے بعض اوقات کسی واقعے کے حوالے سے بہ ظاہر دو مختلف روایات بھی یکجا سامنے آجاتی ہیں، جن میں سے کسی کو ترجیح دینا یا ان میں تطبیق

۱۹- **الانفال**:۵۸

۲۰- دیکھیے: محمد غزالی کی **فقه السیرة**، ط۴، ص۱۰، ۳۰۸

۲۱- پوری بحث کے لیے دیکھیے، **سیرت رحمت عالم**، ص۲۹۸-۳۰۰۔ یہاں چونکہ اردو سیرت نگاری کے اسالیب کا جائزہ مطلوب ہے، اس بنا پر ڈاکٹر عمری کی کتاب کے اردو ترجمے کے صفحات درج کیے جا رہے ہیں۔

۲۲- اس سلسلے کی پہلی قسط **السیرہ** کے بائیس ویں شمارے بابت رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ/ستمبر ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی تھی اور اس کی چوتھی قسط پچیس ویں شمارے میں شائع ہوئی ہے۔

ضروری ہوتی ہے، اگر ان امور کا خیال رکھ لیا جائے تو یہ کام انتہائی اہم خدمت تصور ہوگا۔

عربی میں ہی اس اسلوب میں ایک کتاب مہدی رزق اللہ کی ''سیرت نبویؐ'' ہے، جس کا اردو ترجمہ حافظ محمد امین کے قلم سے شائع ہوا ہے(۲۳) اس کتاب کا اسلوب بھی خالص محدثانہ ہے، اور مؤلف نے جگہ جگہ طویل حواشی کی صورت میں روایات کی تفاصیل درج کی ہیں، اسناد کا ذکر کیا ہے اور رواۃ کی جرح و تعدیل بھی کی ہے۔مگر انہوں نے بھی بالالتزام کتبِ حدیث کے ساتھ کتبِ مغازی، دلائل، تاریخ اور سیرت سے اعتنا کیا ہے، اور ان کی روایت کو قبول کیا ہے۔ اس بنا پر قابلِ عمل منہج ہمارے سامنے یہی متعین ہوتا ہے کہ اولاً تو قرآن حکیم سے استفادہ کیا جائے، مزید تفاصیل کے لیے کتبِ حدیث سے رجوع کیا جائے اور جو تفاصیل صرف کتبِ سیرت و تاریخ میں مذکور ہوں، جن میں کتبِ مغازی، شمائل، کتبِ دلائل اورکتبِ طبقات سب ہی شامل ہیں تو ان سے بھی استفادہ کیا جائے البتہ جیسے کتبِ حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے بعض اصول و ضوابط کا پیشِ نظر رکھنا ناگزیر ہے، اس طرح کتبِ سیرت و تاریخ سے استفادے کے بھی اصول ہیں، مگر فقہی مسائل اور ایمانیات میں استدلال و استشہاد کے لیے جرح و تعدیل کی جس قدر پابندی ضروری ہے، فنِ سیرت میں اس قدر شدت سے کام لینا مشکل بھی ہے اور غیر ضروری بھی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اردو سیرت نگاروں کی بڑی تعداد نے کتبِ حدیث سے بھرپور اعتنا کیا ہے اور مؤلفانہ اسلوب میں تحریر کی گئیں ان کتب سیرت سے، حوالہ جات کا التزام رکھتے ہوئے انہوں نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

۳۔فقہی اسلوب

اسلامی تعلیمات کی روح سے علم الفقہ کی اہمیت مسلم ہے۔ وہ تمام مسائل جن کا حل قرآن اور سنت میں براہ راست مذکور نہیں ہے قیاس اور اجتہاد کے ذریعے ان کا حل قرآن اور سنت کی روشنی میں مستنبط کیا جاتا ہے، اسی کا نام علم الفقہ ہے۔ بظاہر فقہ اور سیرت دو علیحدہ اور الگ موضوعات ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں میں گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ فقہ سے مراد ایک گہرا اور عمیق فہم(Profound Understanding) ہے، یعنی گہرا فہم قرآن پاک کے احکام کا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مبارکہ کا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ کا گہرا فہم۔ جب تک ان تینوں چیزوں کا گہرا فہم حاصل نہ ہو، جب تک ان تینوں مصادر ہدایت میں گہری بصیرت حاصل نہ ہو، اس وقت تک شریعت کے قوانین اور احکام پر عمل کرنا آسان نہیں ہے۔ اس لیے فقہ اور سیرت میں انتہائی گہرا اور قریبی ربط پایا جاتا ہے(۲۴)۔ اس بنا پر فقہیاتِ سیرت کا

۲۳۔ مہدی رزق اللہ، **سیرت نبویؐ**، ترجمہ: حافظ محمد امین، لاہور، دارالسلام، ۱۴۳۰ھ

۲۴۔ **محاضرات سیرت**: ص۵۳۱

موضوع ہمیشہ سے مسلمان اہل علم کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ مثال کے طور پر علامہ ابن قیم جوزیہ کی معرکۃ الآرا تالیف زاد المعاد جہاں ایک جانب کتاب سیرت ہے، اور مباحثِ سیرت سے از اول تا آخر اعتنا کرتی ہے، وہیں وہ فقہیاتِ سیرت کے سلسلے کی نمائندہ ترین اور اہم ترین کتاب ہے جو فقہیاتِ سیرت سے مسلسل بحث کرتی ہے۔ زادالمعاد کے مباحث اس کے اردو ترجمہ کی وساطت سے اب اردو سیرت ذخیرہ کا بھی حصہ ہیں۔

اس سلسلے کی ایک اور اہم کتاب شیخ سعید حوی کی تالیف الاساس فی السنة وفقهها ہے۔ بارہ جلدوں پر مشتمل اس کتاب کی چار جلدیں حصہ سیرت پر مشتمل ہیں۔ اس کتاب میں فاضل مؤلف نے صحاح ستہ سمیت نو اہم کتبِ حدیث سے استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب گو کہ اپنے اسلوب اور مضامین کے اعتبار سے زادالمعاد کی ہمشیر جلد کہلانے کی مستحق ہے مگر ہماری گفت گو کے دائرے سے اس بنا پر خارج ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے اور زادالمعاد کے برعکس اس کا اردو ترجمہ بھی موجود نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے فقہیاتِ سیرت کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱- پہلے حصہ میں وہ اصول و قواعد ہیں جو اکابرِ اسلام نے حدیث اور سیرت کی روشنی میں متعین فرمائے ہیں۔ ان اصول و قواعد پر فقہائے اسلام اور ماہرین شریعت نے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

۲- دوسرا حصہ وہ واقعاتِ سیرت اور ارشاداتِ نبویؐ ہیں جن کی فقہی تعبیر کیے بغیر سیرت کے واقعات کو سمجھنا مشکل ہے۔ مثال کے طور رسول اللہ ﷺ کا آخری حج فقہی اعتبار سے کیا تھا؟ قران، تمتع یا افراد۔ یہ تینوں صورتیں احکام کے لحاظ سے الگ الگ ہیں، آپ ﷺ کا حج کون سا تھا، اب یہ سوال فقہ سے بھی تعلق رکھتا ہے اور سیرت سے بھی۔

۳- فقہیاتِ سیرت کا تیسرا میدان آپ ﷺ کے ارشادات اور فیصلوں کو فقہی حوالے سے مختلف زمروں میں مرتب کرنے کا ہے۔ یعنی آپ ﷺ نے کون سی بات کس حیثیت سے فرمائی۔ بحیثیت نبی اور پیغمبر آپؐ نے کیا ارشاد فرمایا، بحیثیت قاضی آپ نے کیا فیصلہ کیا اور بحیثیت انسان آپؐ کے معمولات کیا تھے[۲۵]۔

اردو میں اس اسلوب کے حامل بہت سی کتب موجود ہیں، خصوصاً فقہیاتِ سیرت کے سلسلے کی وہ کتب جو اردو میں منتقل ہوچکی ہیں، اس اسلوب کی نمائندہ کتب قرار دی جاسکتی ہیں، جن میں محمد الغزالی کی کتاب فقه السیره کا ترجمہ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی کے قلم سے اور رمضان البوطی کی کتاب فقه السیره کا ترجمہ

۲۵- محاضرات سیرت: ص۵۳۳-۵۳۸

''دروسِ سیرت'' کے عنوان سے ہندوستان اور پاکستان سے الگ الگ شائع ہو چکا ہے۔

تالیفی اسلوب میں تحریر کی گئی کتب میں بھی متعدد مقامات پر فقہی اسلوب کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تالیف ''سیرت مصطفیٰؐ'' میں یہ اسلوب نمایاں نظر آتا ہے۔ مثلاً ازواجِ مطہرات کے تذکرے میں مسئلہ حجاب پر کلام کیا گیا ہے(۲۶) اور لباس نبوی ﷺ کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے مسئلہ تشبہ بالکفار پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے(۲۷)۔ اسی طرح غزوۂ احد کے ضمن میں جنگ میں خواتین کی شرکت کے مسئلے پر بحث کی گئی ہے(۲۸)۔

اس اسلوب کی حامل بہت سی کتب سیرت اردو میں موجود ہیں، یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کیا گیا ہے۔

۴-کلامی/مناظرانہ اسلوب

کلامی اسلوب سے وہ اعتقادی اور کلامی مباحث مراد ہیں، جن کا تعلق اصلاً تو اعتقادیات سے ہے، مگر وہ سیرت سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ ان مسائل کی ایک عمومی فہرست ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے ''محاضرات سیرت'' میں یوں دی ہے۔

۱- نبوت ورسالت کی حقیقت اور ضرورت

۲- نبی اور رسول کے فرائض اور ذمے داریاں

۳- وحی کی حقیقت، ضرورت اور اقسام

۴- دیگر ذرائع علم

۵- ختم نبوت اور حقیقت محمدیہؐ

۶- خصائصِ نبویؐ وفضائلِ نبویؐ

۷- کلام الٰہی کی حقیقت اور مسئلہ خلقِ قرآن

۸- معجزات رسولؐ

۹- معراجِ رسولؐ

۱۰- معراج اور اسرا

۱۱- سند عصمتِ انبیاء

۱۲- بشائر الانبیاء یا شواہدِ نبوت (۲۹)

ان موضوعات پر اور ان سے ملتے جلتے بعض موضوعات پر گفتگو اہل یونان کے زیر اثر تشکیل پانے والے علم کلام میں بھی شروع ہوگئی تھی، پھر بعض موضوعات خصوصیت سے خصائص نبویؐ، معجزات، معراج، وغیرہ پر کلام علیحدہ علیحدہ کتب کی صورت میں بھی شروع ہوا اور ان موضوعات پر لکھی گئی کتب ذخیرۂ سیرت کا

۲۶- سیرت مصطفیٰؐ، ج ۳، ص ۳۲۶

۲۷- ایضاً: ج ۳، ص ۳۹۰

۲۸- ایضاً: ج ۲، ص ۲۳۷

۲۹- محاضرات سیرت، ص ۴۶۶

ہی حصہ سمجھی گئیں۔ مگر چونکہ ہماری گفتگو اردو سیرت نگاری کے حوالے سے ہے، اس لیے ہم اپنی توجہ براعظم پاک وہند میں ہونے والے اردو کام پر ہی مرکوز رکھیں گے۔

برعظیم کی عظیم ترین شخصیت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی لازوال تالیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں کلامیات سیرت کے حوالے سے وقیع کام کیا ہے، بلکہ ڈاکٹر محمود احمد غازی کے بقول ایک اعتبار سے اس ساری کتاب کا پورا موضوع ہی کلامیاتِ سیرت ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت اور سنت کے وہ حقائق اور معارف بیان کیے ہیں جو عام انسانوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ ان حقائق کی بنیاد پر جن کو وہ اسرارِ حدیث کہتے ہیں، شاہ صاحب نے ایک ایسا عقلی اور روحانی نظام مرتب کیا ہے جو اسلامی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ ابھی تک کوئی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اس کام میں مزید اضافہ نہیں کرسکا۔ وہ ابھی تک اپنے کام کے فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی(۳۰)۔

اس کتاب میں شاہ ولی اللہ نے نبوت کی ضرورت و اہمیت پر بھی کلام کیا ہے، اور اس سلسلے میں اپنی بات کی وضاحت کے لیے انہوں نے فلسفیانہ، تاریخی اور معاشرتی دلائل دیے ہیں۔ ختم نبوت کے فلسفے کو انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے ارتقا کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ کتاب گو کہ اسرارِ شریعت سے بحث کرتی ہے، مگر اس خاص پہلو سے مباحث سیرت کی بھی حامل ہے اور اردو ترجمے کی مدد سے یہ اب اردو مباحث سیرت کا بھی حصہ ہیں۔

شاہ ولی اللہ کے علاوہ بھی اس موضوع پر چھوٹی بڑی کئی کتب موجود ہیں۔ برعظیم پاک و ہند کی ایک اور عبقری شخصیت حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے شہرۂ آفاق ''مکاتیب'' میں بھی بہت سے ایسے کلامی پہلوؤں پر مباحث ملتے ہیں جن کا تعلق سیرت سے ہے، خصوصاً مقام و احترام نبوت، ختم نبوت اور ضرورت نبوت پر حضرت مجددؒ کا کلام نہایت وقیع اور اپنے عہد کے اسلوب کے حوالے سے انتہائی غیر معمولی ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے خاص اس موضوع پر اثبات النبوہ کے عنوان سے ایک رسالہ بھی تالیف فرمایا ہے(۳۱) یہ تمام مباحث چونکہ اردو میں ترجمہ ہوکر شائع ہو چکے ہیں، اس لیے یہ اردو ذخیرۂ سیرت کا حصہ ہیں۔

۳۰- ایضاً: ص ۴۷۹

۳۱- اندازہ ہے کہ یہ رسالہ **اثبات النبوۃ** حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی پہلی تصنیف ہے جو ۹۹۰ یا ۹۹۱ھ میں آگرہ کے دوران قیام میں مرتب ہوئی۔ یہ کتاب ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی سے ۱۳۸۳ھ میں پہلی مرتبہ اصل عربی متن مع اردو ترجمہ شائع ہوئی۔ پھر ادارۂ سعدیہ مجددیہ، لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے مجموعے کے ساتھ صرف اصل متن بغیر اردو ترجمہ کے شائع کیا۔

ان کلامی موضوعات کا ایک توسیعی پہلو وہ ذیلی عناوین ہیں جن کی بنیاد پر خاص کر برعظیم پاک و ہند میں متعدد مکاتبِ فکر پیدا ہوئے اور فرقہ وارانہ رنجشوں نے سر ابھارا، جو بالآخر خصوصیت کے ساتھ اس خطے کا امتیاز بن گئیں۔

ان عنوانات میں سے چند ملاحظہ کیجیے:

۱- انبیائے کرام کی معصومیت، خصوصاً یہ سوال کہ کیا انبیائے کرامؑ کی معصومیت قبل از نبوت و رسالت بھی ہوتی ہے؟

۲- انبیائے کرامؑ کے معجزات وہبی ہوتے ہیں یا کسبی؟

۳- انبیائے کرامؑ تمام برابر ہیں یا ان میں درجات کا تفاوت ہے؟ نیز کسی ایک سبب سے کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت دینا درست ہے یا نہیں؟

۴- نبوت و رسالت میں فرق؟

۵- نبوت اگر وہبی ہے تو کیا وہ کسی انسان کو عطا کر کے واپس لی جاسکتی ہے؟

۶- آپ ﷺ نور ہیں یا بشر؟

۷- علم غیب

۸- آپ ﷺ کی نظیر اور آپ کا مثیل پیدا کرنا اللہ کے لیے ممکن ہے یا نہیں؟

یہ اور اس نوع کے بہت سے ذیلی عناوین اس فضا میں اٹھائے گئے، اور مختلف مکاتب فکر کی جانب سے جواب درجواب کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس سارے سلسلے کو ایک اور نظر سے دیکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں اس کو محض اتفاق نہیں سمجھتا کہ اس طرح کی مناظرانہ تحریروں میں شدت برصغیر میں انگریزوں کے آنے کے بعد پیدا ہوئی۔ جب یہاں ایسٹ انڈیا کمپنی برصغیر کے بیشتر حصوں پر قبضہ کر کے حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی تو پھر مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں یہ مسائل بھی پیدا ہونے لگے اور ایسے ایسے مسائل اور سوالات اٹھائے گئے جو پچھلے بارہ سو سال میں نہیں اٹھائے گئے تھے۔ ہر فریق نے اپنے نقطہ نظر کی تائید میں قرآن پاک سے بھی استدلال کیا، یہ عمل نسبتاً محدود تھا۔ سیرت اور حدیث سے استدلال کی نوبت زیادہ آئی۔ اس کے نتیجے میں ایک مناظرانہ ادب سامنے آیا، جس کی علمی حیثیت کے بارے میں تو سردست کچھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن وہ برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کا کم سے کم اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ مناظرے اور بحث میں حصہ لینے والے تمام فریقوں کے پیروکاروں کے حلقوں میں سیرت کے بہت سے واقعات معلوم اور متعارف ہوگئے۔ سیرت کے جن واقعات سے کسی خاص بزرگ نے استدلال کیا تو کم سے کم ان کے ماننے والوں اور عقیدت مندوں میں وہ واقعات مشہور و معروف ہو

گئے۔ اس طرح بالواسطہ طور پر اس سارے مناظرانہ ہنگامے کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ سیرت کا علم نسبتاً زیادہ عام ہوگیا(۳۲)۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

اس سلسلے کی چند اہم کتب کے صرف نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ یہ نام محض مثال کے طور پر پیش کیے جارہے ہیں۔ ان سے مقصود اس موضوع پر کسی قسم کا استقصا یا انتخاب نہیں ہے۔

- شاہ اسماعیل شہید ...... تقویۃ الایمان
- احسن ندیم ...... ''بریلوی دیوبندی علما کے مناظرے''۔
- مولانا محمد قاسم نانوتوی ...... تحذیر الناس
- مولانا اشرف علی تھانوی ...... رسالہ حفظ الایمان
- مولانا احمد رضاخاں بریلوی ...... حسام الحرمین
- مولانا خلیل احمد انبیٹھوی ...... البراھین القاطعہ
- مولانا حسین احمد مدنی ...... شہاب الثاقب
- مولانا احمد رضا خاں بریلوی ...... ملفوظات
- مولانا احمد رضا خاں بریلوی ...... نفی النفی
- مولانا احمد سعید کاظمی ...... تسکین الخواطر
- رضوان بریلوی ...... جاء الحق
- مولانا منظور احمد نعمانی ...... بوارق الغیب

اردو سیرت نگاری کا یہ ایک اہم پہلو ہے، جس پر کافی لٹریچر موجود ہے، البتہ گزشتہ چند دہائیوں میں ایسے موضوعات پر نئی کتب کی آمد کا سلسلہ تھم گیا ہے۔ مختصر کتب اور کتابچوں کی صورت میں تھوڑی بہت چیزیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ جس کا اہم سبب یہ ہے کہ عوام الناس میں ان اختلافی مسائل پر پہلی سی گرم جوشی نہیں پائی جاتی۔ نیز اب سیرت طیبہ کے اطلاقی پہلو اور عملی تعلیمات کو جاننے کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

پروفیسر ظفر احمد کا طویل سلسلہ مقالاتِ سیرت جو ''ششماہی السیرۃ'' عالمی میں گزشتہ بارہ برسوں سے تواتر کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، بہت سے ایسے مباحث کا بھی احاطہ کرتا ہے جن کا تعلق کلامیاتِ سیرت سے ہے۔ حال کے برسوں میں ان موضوعات پر یہ ایک سنجیدہ ترین کاوش قرار دی جاسکتی ہے۔

۳۲۔ محاضرات سیرت، ص ۲۰۶

۵-جدلی اسلوب

مطالعۂ سیرت کی وسعتوں پر گفتگو کرتے ہوئے مستشرقین اور ان کے حوالے سے منظرِ عام پر آنے والے لٹریچر کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مستشرقین کی اصطلاح اُن اہلِ مغرب کے لیے استعمال ہوتی ہے، جو مشرقی علوم و فنون میں دلچسپی رکھتے ہیں، مستشرقین کی دلچسپی کے کئی میدان ہیں، لیکن سیرت کے حوالے سے جب بات ہوتی ہے تو صرف وہ مغربی محققین مراد ہوتے ہیں جنہوں نے سیرت اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اپنی تحریریں پیش کی ہیں۔

سیرت نگاری میں جدلی اسلوب کی اہمیت مستشرقین کے رویوں پر منحصر ہے۔ چونکہ مستشرقین نے چند صدی پہلے بعض وجوہ سے حد درجے سرگرم ہوتے ہوئے ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے حوالے سے اعتراضات، اتہامات بلکہ خرافات کا سلسلہ شروع کیا تو مسلم مفکرین، علما اور محققین نے ان اعتراضات کے جواب میں صحیح صورتِ حال کی وضاحت کی اور جدید اسلوب تحقیق سے کام لیتے ہوئے ان کے اعتراضات کی حقیقت کو واضح کیا۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے کیوں کہ آج گو کہ تحریک استشراق کو وہ غلبہ حاصل نہیں ہے جو اس سے قبل تھا لیکن اہل مغرب کی جانب سے ذات رسالت مآب ﷺ کو نامناسب انداز سے نشانہ بنانے کا سلسلہ آج بھی جاری ہے، چاہے وہ توہین آمیز خاکوں کا مسئلہ ہو، یا فیس بک (Face Book) کے ذریعے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کا معاملہ۔ اس بنا پر سیرتِ طیبہؐ کا جدلی اسلوب نہ صرف یہ کہ گزشتہ دو دہائیوں سے اردو سیرت نگاری کا اہم حصہ ہے، بلکہ آج کل بھی یہ اہم ترین اور ضروری اسلوب ہے۔

سیرت طیبہ کے حوالے سے کام کرنے والے مستشرقین درحقیقت مختلف اقسام میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ بعض تو اول و آخر عیسائی بلکہ پادری ہیں، ان کا مقصد تو واحد ہے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو نشانۂ تنقید بنانا۔ ایک گروہ وہ ہے جو عقائد کے اعتبار سے لادین ہے، وہ کسی کا بھی قائل نہیں، وہ دوسرے مذاہب پر بھی اعتراض کرتا ہے اور اسلام پر بھی تنقید اس کے ہاں ملتی ہے، کسی کے ہاں کم، کسی کے ہاں زیادہ۔ تیسرا گروہ ہے، جس نے واقعتاً علمی دلچسپی کے سبب مذاہبِ عالم کا مطالعہ کیا ہے۔ اس گروہ کا اندازِ فکر یہ ہے کہ یہ اپنے طور پر بات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، جو بات سمجھ میں آ جاتی ہے، اس کی تعریف کرتا ہے، جو اس کے فہم تک نہ پہنچے، اُس پر تنقید کرتا ہے اور پھر اگر قسمت یاوری کرے اور توفیقِ الٰہی ساتھ دے تو اس طبقے میں اسلام قبول کرنے کی بھی مثالیں ملتی ہیں۔

مستشرقین کے حوالے سے تحریروں کا آغاز بھی سر سید کی ''خطباتِ احمدیہ'' سے ہوتا ہے، جو ولیم مور کے جواب میں لکھی گئی، جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں۔ پھر علامہ شبلی نے اس پر کام کیا، جو ''سیرت النبیؐ'' کا

حصہ ہے۔ ان کے بعد اُردو زبان میں پروفیسر احسان الحق کا کام ''رسول مبینؐ'' کے عنوان سے سامنے آیا۔ یہ کتاب جسے بعد میں سیرت ایوارڈ بھی دیا گیا۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک اہم کاوش کی حیثیت رکھتی ہے جس میں انہوں نے تفصیل کے ساتھ مستشرقین کے مغالطوں کا تجزیہ کیا ہے۔ انہوں نے آغاز میں استشراق و مستشرقین پر بحث کی ہے، پھر سیرت طیبہ کے مختلف اہم واقعات کا ذکر کر کے اس ضمن میں مستشرقین کی جانب سے پھیلائے جانے والے مغالطوں کو بیان کر کے دلائل کے ساتھ مسترد کیا ہے اور مستشرقین کے اٹھائے گئے بہت سے سوالات کے جوابات جدید علمی اسلوب میں دیے گئے ہیں اور اس مقصد کے لیے ذخیرۂ استشراق سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ مطالعۂ استشراق میں یہ کتاب نہایت فائق مقام کی حامل ہے۔ کتاب خالص عالمانہ اسلوب میں لکھی گئی ہے اور مفصل حوالہ جات سے مزین ہے[۳۳]۔

اسی طرح ۱۹۸۲ء میں دارالمصنفین، اعظم گڑھ، انڈیا میں مستشرقین کے موضوع پر ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا تھا۔ اس کے مقالات اور روداد اس موضوع پر بعض دیگر مقالات کے ساتھ چھ جلدوں میں شائع ہوئی، جن کی ترتیب و تدوین کا فریضہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے انجام دیا۔ یہ مقالات بھی مستشرقین کی جانب سے سیرت طیبہ پر کیے جانے والے کام کا احاطہ کرتے ہیں، اور ان پر علمی اسلوب میں نقد کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

اَسّی کی دہائی کے اوائل میں ''ماہانہ نقوش'' نے ضخیم رسول نمبر تیرہ جلدوں میں شائع کیا، اس میں دیگر بہت سے اہم موضوعات کے علاوہ مستشرقین پر جناب ڈاکٹر نثار احمد کے دو اہم اور طویل مضامین شامل تھے۔ کچھ عرصے بعد جامعہ کراچی سے جناب ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی نے ''اسلام، پیغمبرِ اسلام ﷺ اور مستشرقینِ مغرب کا اندازِ فکر'' کے زیرعنوان پی ایچ ڈی کے لیے مقالہ پیش کیا۔ یہ مقالہ لاہور سے حال ہی میں چھپ کر منظرِ عام پر آچکا ہے[۳۴]۔ یہ کتاب مطالعہ استشراق میں نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف یہ کہ تحریکِ استشراق کا پس منظر بیان کیا گیا ہے، بلکہ آغازِ اسلام ہی سے عیسائی حکومتوں کی مداخلت اور اسلامی فتوحات پر چرچ اور مغرب کے ردِعمل کے حوالے سے تفصیلات ذکر کی ہیں۔ فاضل محقق نے مستشرقین کے اندازِ تحقیق اور اسلوبِ استدلال پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ان کے خاص طریقہ کار یعنی مسخِ حقائق کو دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے ۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر خصوصیت کے ساتھ اردو داں اردو خواں طبقے کے لیے نہایت معلوماتی اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

۳۳- محمد احسان الحق سلیمانی، **رسولِ مبین**، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۳ء، ص ۶۷۷

۳۴- ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، **پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر**، بیت الحکمت، لاہور، تقسیم کار کتاب سرائے اردو بازار، لاہور

اسی طرح پیر کرم شاہ الازہری نے سیرت پر ''ضیاء النبیؐ'' کے نام سے مفصل کام کیا ہے، جو سات جلدوں پر مشتمل ہے، اس کی دو جلدیں مستشرقین کے حوالے سے ہیں۔ یہ دونوں جلدیں علامہ عبدالرسول ارشد کے قلم سے ہیں۔ مطالعۂ سیرت کا یہ ایک وقیع پہلو ہے، جس کے تحت غیر مسلم مفکرین کے خیالات کا جائزہ لے کر ان پر نقد کیا گیا ہے۔

عبدالستار غوری کی کتاب'' محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں'' بھی اسی اسلوب کی ایک نئی کتاب قرار دی جا سکتی ہے،گو اس سے قبل اس موضوع پر کئی وقیع کام سامنے آچکے ہیں،خصوصاً علامہ چڑیا کوٹی کی'' بشریٰ'' اپنے موضوع کی اردو میں پہلی جامع کتاب شمار ہوتی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کی پیشین گوئیوں کے بارے میں تمام مذہبی کتب کا جائزہ لیا گیا ہے۔عبدالستار غوری کی کتاب اس سلسلے کی جدید ترین کتاب ہے جس میں انہوں نے اپنے موضوع کو بائبل کے مطالعے تک محدود رکھا ہے اور چھ ابواب میں رسول اکرم ﷺ کے بارے میں بائبل کی پیشین گوئیاں مکمل حوالہ جات اور انگریزی ٹیکسٹ کے ساتھ مرتب کی ہیں[۳۵]۔

مستشرقین عام طور پر نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ اور سیرت طیبہ پر اعتراضات کے لیے جن موضوعات کا سہارا لیتے ہیں ان میں امہات المؤمنین کا موضوع ان کا نہایت پسندیدہ ہے۔ اسلامیہ کالج، لاہور کے شعبہ اسلامیات کے استاد ظفر علی قریشی مستشرقین کے حوالے سے انگریزی میں نہایت مبسوط تالیف کے مولف ہیں۔ ان کی ایک تالیف امہات المومنین کے حوالے سے اردو میں بھی حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔کتاب میں مؤلف نے چھ ابواب میں رسول اکرم ﷺ کی خانگی و عائلی زندگی اور ازواج مطہرات کے ساتھ تعلق کے ان پہلوؤں کا جامعیت کے ساتھ تحقیقی اسلوب میں احاطہ کیا ہے جن کو مستشرقین اعتراضات کی بنیاد بناتے ہیں اور چونکہ کتاب مستشرقین کے اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی ہے، اس بنا پر اس میں جگہ جگہ بائبل کے بیانات سے استشہاد کے ساتھ ساتھ مستشرقین کے بعض اعترافی اور انصاف پسندانہ خیالات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر گرفت اور اسلوب تحقیق کے لحاظ سے یہ کتاب نہایت مفید اور نمایاں مقام کی حامل ہے[۳۶]۔

عربی میں **مناھج المستشرقین فی الدراسات العربیه الاسلامیه** کے نام سے کچھ عرصے پہلے دو جلدوں میں مستشرقین کے کام کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے ایک کتاب عالم عرب سے شائع ہوئی تھی، جس کا خلاصہ اور اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی کے قلم سے شائع ہوا ہے، اس میں دوسرے موضوعات کے

۳۵- عبدالستار غوری، **محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بائبل کی چند پیشین گوئیاں**، لاہور، المورد، ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۱

۳۶- ظفر علی قریشی، **امہات المومنین اور مستشرقین**، لاہور، ضیا القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۲۵۶

علاوہ سیرت نبویؐ اور مستشرقین کے عنوان سے ایک مقالہ بھی شامل ہے جس میں منٹگمری واٹ کے افکار و خیالات کا جائزہ لے کر اس پر تنقید کی گئی ہے اور واٹ کے طریقۂ استدلال کا بھی تجزیہ پیش کیا گیا ہے(۳۷)۔

۶- درایتی اسلوب

اردو سیرت نگاری میں درایتی اسلوب کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔اس اسلوب سے اصولاً تو اردو کیا ہر زبان میں لکھنے والے سیرت نگاروں کو حد درجے اعتنا کرنا چاہیے مگر روایتی اسلوب کے ساتھ ساتھ درایتی اسلوب پر سیرت نگاروں خصوصاً اردو سیرت نگاروں کی توجہ کم کم محسوس ہوتی ہے۔لیکن اس کے باوجود اس فن سے اعتنا کی مثالیں سرسید احمد خاں سے لے کر عہدِ حاضر کے سیرت نگاروں تک مسلسل نظر آتی ہیں۔

سرسید احمد خان نے ''خطباتِ احمدیہ'' میں بہت سے واقعات کی توضیح وتنقیح میں فنِ درایت سے کام لیا ہے اور متعدد واقعات کا مقام متعین کرنے میں انہوں نے روایت پر درایت کو ترجیح بھی دی ہے۔

دبستانِ سرسید کا دوسرا اہم نام علامہ شبلی نعمانیؒ کا ہے،جو اپنے کام کی وسعت، تنوع اور امتیاز کی وجہ سے خود ایک دبستان کا درجہ رکھتے ہیں۔ علامہ شبلی نے ''سیرت النبیﷺ'' میں بہت سے امور میں فنِ درایت کو پیشِ نظر رکھا ہے اور اس کی بنیاد پر واقعات سیرت میں تطابق اور ترجیح کی کوشش کی ہے۔

اس سلسلے کا ایک اہم نام مولانا محمد اسماعیل آزاد کا ہے، جن کا کام بہت زیادہ متعارف نہیں ہو سکا۔ ان کی مطبوعہ چیزیں بھی مقدار میں زیادہ نہیں ہیں، اس وجہ سے اہل سیرت ان سے زیادہ متعارف نہیں ہیں۔ مولانا اسماعیل آزاد نے اپنی کتاب ''خیر البشرﷺ'' میں روایت کے ساتھ ساتھ درایت سے بھی کام لیا ہے اور متعدد مقامات پر اس اصول کے تحت تفصیلی بحث کی ہے۔ان کی یہ بحثیں روایت کے ساتھ ساتھ فنِ درایت پر ان کی مضبوط گرفت کا ثبوت ہیں۔خصوصیت سے غزوۂ خیبر کے حوالے سے ان کے مباحث اور فاتح خیبر کی حیثیت سے مختلف روایات کا محاکمہ قابل مطالعہ ہے(۳۸)۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب ''سیرت سرورِ عالمﷺ'' میں بھی درایت کے مظاہر نظر آتے ہیں۔ بہت سے واقعات کے ذیل میں وہ فنِ درایت کے اصولوں کے تحت کلام کرتے ہیں اور اپنے موقف کی تائید میں اصول درایت کو پیش کرتے ہیں۔خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے حالات میں اور بائبل کی تعلیمات پر نقد کرتے ہوئے جگہ جگہ فن درایت سے استفادہ نظر آتا ہے(۳۹)۔ اسی طرح

۳۷- ندوی، محمد ثنا اللہ، ڈاکٹر، **علوم اسلامیہ اور مستشرقین**، لاہور، نشریات، ۲۰۰۹ء، ص ۵۵۱

۳۸- مولانا محمد اسماعیل آزاد، **سیرت سرور عالمؐ**، کراچی، مکتبہ معارف الحق، س ن، ص ۹۰

۳۹- مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، **سیرت سرور عالمﷺ**، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۸ء، ج اول، ص ۵۴۸، و مابعد

بحیرا راہب کے واقعے میں بھی درایت کے اصولوں کا استعمال نظر آتا ہے[۴۰]۔

مولانا جعفر شاہ پھلواروی کی ''پیغمبر انسانیت ﷺ'' بھی اس حوالے سے اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب میں جہاں مولانا پھلواروی نے واقعات سیرت کا پس منظر بیان کیا ہے، ان کی حکمتوں اور وجوہات پر روشنی ڈالی ہے، وہیں بعض مقامات پر فن درایت سے بھی استفادہ کیا ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ کی تحریر کا احوال بیان کرتے ہوئے خاص طور پر اس اسلوب کی جھلک نظر آتی ہے[۴۱]۔

حکیم محمود احمد ظفر کی کتاب ''سیرت خاتم النبیین ﷺ'' کا ذکر تالیفی/سوانحی اسلوب میں آچکا ہے، مگر اس کتاب میں بھی فنِ درایت کا استعمال متعدد مقامات پر دکھائی دیتا ہے[۴۲]۔

اسلوبِ درایت کے بعض مظاہر قاضی عبدالدائم دائم کی تالیف ''سید الوریٰ'' میں بھی نظر آتے ہیں۔ یہ کتاب بھی کئی پہلوؤں سے اہم ترین کتاب ہے کہ اس میں تحقیقی اسلوب کے ساتھ ساتھ بعض کلامی پہلوؤں پر بھی گفتگو کی گئی ہے اور فنِ درایت سے بھی استفادہ کیا گیا ہے[۴۳]۔

اس موضوع پر حال ہی میں سیرت پر تفصیل سے قلم اٹھانے والے پروفیسر ظفر احمد کے ہاں بھی بعض عمدہ مثالیں نظر آتی ہیں۔ پروفیسر صاحب کا کام کئی حوالوں سے تنوع رکھتا ہے، اس بنا پر اس مقالے میں متعدد مقامات پر ان کا ذکر آچکا ہے۔

۷۔ تحقیقی و تجزیاتی اسلوب/مغربی اسلوبِ تحقیق/تقابلی مطالعاتی اسلوب

آج اردو سیرت نگاری کا اہم ترین امتیازی پہلو تحقیقی و تجزیاتی اسلوب ہے جس میں بے شمار کتب سامنے آچکی ہیں اور یہ سلسلہ الحمد للہ جاری ہے۔ اس اسلوب کی ابتدا سر سید احمد خان کی کتاب ''خطباتِ احمدیہ'' سے ہوتی ہے۔ ان سے پہلے یہ اسلوب اردو سیرت نگاری میں موجود نہیں تھا۔ سر سید ہی وہ پہلے محقق اور اہلِ قلم ہیں جنھوں نے اردو سیرت نگاری کو تحقیق اور تجزیے کے ساتھ ساتھ مطالعۂ استشراق سے بھی روشناس کرایا۔ اس سے قبل مسلمان اہلِ قلم کی جانب سے مغربی فکر اور اسلام کے بارے میں ان کے طرزِ عمل کو جاننے کی کوئی کوشش نظر نہیں آتی ۔ سر سید نے سب سے پہلے مغربی اصولِ تحقیق کو سامنے رکھتے ہوئے اصل ماخذ سیرت سے مباحثِ سیرت کو منقح و مدلل انداز میں پیش کرنے کی سعی و کوشش کی۔ سر سید کی یہ کوشش

۴۰- ایضاً: ج ا، ص ۴۱۴۷۸

۴۱- مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی، **پیغمبر انسانیت ﷺ**، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۰ء، ص ۳۳۲

۴۲- حکیم ظفر محمود احمد، **سیرت خاتم النبیین ؐ**، لاہور، تخلیقات، ۲۰۰۱ء، ص ۹۳۶، چنانچہ ملاحظہ کیجیے: ص ۱۳۵، ص ۱۵۸ ومابعد، ص ۷۰۳

۴۳- قاضی عبدالدائم، **سید الوریٰ**، لاہور، برائٹ بکس، ۱۹۹۸ء

اس اعتبار سے کامیاب ترین کوشش کہی جا سکتی ہے کہ ان کے بعد یہ سلسلہ نہ صرف شروع ہوا بلکہ اردو سیرت نگاری کو عروج تک پہنچانے میں اس اسلوب اور اس اسلوب میں لکھی گئی کتب نے نمایاں کردار ادا کیا۔ البتہ اس کاوش کے دوران اور اپنی دیگر تحریروں میں موجود تفردات اور دیگر اہل علم اور مسلمان مفکرین کے مسلمہ خیالات کے برعکس افکار اور نظریات کے اظہار کی وجہ سے سرسید کی یہ کاوش اس درجے میں پذیرائی حاصل نہیں کر سکی جس کی وہ اولیت کی وجہ سے حق دار تھی۔ سرسید کا کام اس حوالے سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ انہوں نے اردو میں پہلی بار اصول سیرت نگاری پر بھی قلم اٹھایا اور مآخذ سیرت پر بحث کی اور ان موضوعات پر محققانہ انداز میں اظہار خیال کیا۔

سرسید کے بعد اس اسلوب میں مباحث سیرت پر دادِ تحقیق دینے والے اہل علم کی ایک طویل فہرست ہے جن میں چند نام تو اس قدر بلند ہیں کہ وہ اپنے مقام پر بجائے خود ایک دبستان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں نام علامہ شبلی نعمانی کا ہے، مگر ان کے معاصر علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی کاوش ''رحمۃ اللعالمین'' بھی اس اسلوب کی نمایاں ترین کاوش ہے۔ ''رحمۃ للعالمین'' نہ صرف یہ کہ اردو سیرت نگاری میں تحقیقی و تجزیاتی اسلوب کی حامل ہے، بلکہ اس کتاب نے پہلی بار اردو سیرت نگاری میں تقابلی مطالعے کا رجحان متعارف کرایا اور سرسید احمد خاں نے ''خطبات احمدیہ'' میں بائبل سے استفادے کی جو روش اختیار کی تھی اسے زیادہ بامعنی انداز میں زیادہ وسعت کے ساتھ علامہ منصور پوری نے ''رحمۃ للعالمین'' میں اختیار کیا۔ علامہ سید سلیمان منصور پوری کی کتاب اس بنا پر بھی زیادہ مقبولیت کے منصب پر فائز ہوئی کہ اس میں سرسید کی طرح تفردات اور انفرادی آراء سے بھی احتراز نظر آتا ہے۔ اس لیے ان کی کتاب ہر طبقۂ فکر میں یکساں مقبول نظر آتی ہے۔

دبستانِ سرسید کی ایک نمایاں شخصیت علامہ شبلی نعمانی کی ہے۔ انہوں نے تحقیق اور تجزیے کی روایت کو کامیابی سے نہ صرف یہ کہ آگے بڑھایا، بلکہ تحقیقی سیرت نگاری میں اپنے علم و فضل کو سمو کر اسے بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ ''سیرت النبی ﷺ'' اور ''رحمۃ للعالمین'' ایک ہی زمانے میں لکھی گئیں، دونوں تحقیقی اور تجزیاتی اسلوب کی حامل ہیں اور اردو سیرت نگاری میں رجحان ساز حیثیت رکھتی ہیں، مگر دونوں کا اسلوب نمایاں طور پر اپنی انفرادیت رکھتا ہے۔ اگر ''سیرت النبی'' دماغ سے تحریر کی گئی ہے تو ''رحمۃ للعالمین'' دل کی صدا نظر آتی ہے۔

جدید سیرت نگاری کو تحقیقی اسلوب سے باثروت کرنے کا جو فریضہ اس زمانے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ نے سرانجام دیا وہ نہایت غیر معمولی ہے۔ ان کی اسی خدمت کے سبب اہلِ علم نے بجا طور پر انہیں مجددِ علم سیرت کا لقب عطا کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے خاص طور پر ان پہلوؤں کی طرف توجہ دی جو بات واضح نہ ہونے

کی وجہ سے مشکلاتِ سیرت کا حصہ رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ان موضوعات پر مسلسل لکھتے رہے اور اپنی تحقیق آراء کو قارئین کے سامنے پیش کرتے رہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے اسلوب کو سمجھنے کے لیے ایک مثال کافی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہجرت حبشہ کے سلسلے میں نجاشی کو جو خط تحریر فرمایا تھا وہ حضرت عمرو بن امیہ الضمری ؓ کے ذریعے بھیجا گیا۔ جب آپؐ نے پہلی بار عمرو بن امیہ الضمری ؓ کو نجاشی کے دربار میں بھیجا تو وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کے ساتھ ان کا تعلق اور دوستی قبولِ اسلام سے پہلے کی تھی۔ عام طور پر محدثین اور سیرت نگاروں نے اس پر غور نہیں کیا تھا کہ عمرو بن امیہ الضمری ؓ کو اس کام کے لیے کیوں منتخب کیا جاتا رہا؟ کسی نے نہیں سوچا کہ اس انتخاب کی کوئی خاص وجہ ہو سکتی ہے۔ بعد کے اہل علم نے جب اس پر غور کیا تو پتا چلا کہ نجاشی زمانہ کم سنی میں اپنے اقتدار سے محروم کیے جانے کے بعد الضمری قبیلے کے سردار کے ہاں پناہ گزیں ہوئے تھے، جو عمرو بن امیہ الضمری ؓ کے والد تھے اور نجاشی نے ان کے ساتھ بچپن کے تقریباً دس بارہ سال بسر کیے تھے۔ تفصیل سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ عمرو بن امیہ الضمری ؓ کو نجاشی کے دربار میں بھیجنا کیوں پسند فرماتے تھے۔ ڈاکٹر حمیداللہ نے اپنی تحریروں میں ایسے بہت سے حوالے پیش کیے ہیں اور سیرت طیبہ کے بہت سے واقعات اور متعلقات سیرت کے بہت سے پہلوؤں کو باہم مربوط کرنے کے ساتھ ساتھ مشکلات سیرت کو حل کرنے میں وقیع خدمت انجام دی ہے (۴۴)۔

مگر ڈاکٹر صاحب کی زیادہ تر تحریریں اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں ہیں، اس بنا پر وہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ اردو میں ڈاکٹر صاحب کی جو تحریریں ہمیں میسر ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' یہ کتاب اپنے موضوع پر اردو میں سب سے اہم کاوش کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ کتاب چونکہ فاضل محقق کے چند مضامین کا مجموعہ ہے، مستقل بالذات کتاب نہیں ہے، اس بنا پر خواہش ہوتی ہے کہ کاش اس موضوع پر ایک مرتب کتاب ڈاکٹر حمید اللہؒ کے قلم سے نکلتی تو خاصے کی چیز ہوتی (۴۵)۔

''عہد نبویؐ کے میدان جنگ'' اپنے موضوع پر اردو میں یہ پہلی کاوش قرار دی جا سکتی ہے۔ اردو

۴۴- **محاضراتِ سیرت**، ص۹۶، ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعہ بعض اہل علم کے حوالے سے تحریر کیا ہے، یہ بات اصل میں ڈاکٹر حمید اللہ نے پہلی بار پیش کی ہے۔

۴۵- ڈاکٹر محمد حمید اللہ، **رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی**، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۳ء، ص ۳۶۸

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن انڈیا سے ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا تھا، بعد میں اضافوں اور مؤلف کی نظرِ ثانی کے بعد اردو اکیڈمی کراچی سے ۱۹۷۲ء میں اس کا اہم ایڈیشن شائع ہوا۔ اس کے بعد بھی اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ یہ کتاب مسلسل شائع ہو رہی ہے۔

سیرت نگاری میں اسے اہم کاوش کا درجہ حاصل ہے۔ اس کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ فاضل محققؒ نے بہت سے مقامات کا خود جا کر مشاہدہ کیا اور اپنی معلومات سے قارئین کو آگاہ کیا ہے(۴۶)۔

ڈاکٹر خالد علوی کی تالیف ''انسان کامل''۔ تحقیقی اسلوب کی ایک اہم کتاب ہے، اس کتاب میں بہت سے ایسے مباحث اور سیرت طیبہ کے عنوانات پر تحقیقی اسلوب میں گفتگو کی گئی ہے جن پر اس سے قبل زیادہ مرتب انداز میں مواد دستیاب نہیں تھا۔مثلاً رسول اللہ ﷺ بہ حیثیت مقنن،بحیثیت سپاہ سالار، بحیثیت خطیب۔ اسی طرح آپ ﷺ کی خانگی زندگی، آپ ﷺ کی سیاسی زندگی وغیرہ۔یہ کتاب متعلقہ مباحث سیرت کے سلسلے میں جدید رجحانات سے بھی بحث کرتی ہے اور سیرت طیبہ، اسوۂ حسنہ کے امتیاز کو جدید اسلوب میں دلائل اور تقابلی مطالعے کے ذریعے نمایاں کرتی ہے(۴۷)۔

۸- ادبی اسلوب

سیرت کے واقعات کو خالص ادبی اسلوب میں پیش کرنے کو اردو سیرت نگاری کا ادبی اسلوب کہہ سکتے ہیں۔ یہ اسلوب اردو سیرت نگاری کا بہت اہم حصہ ہے۔ اس اسلوب کے دو پہلو ہیں، ''نظم اور نثر'' ادبی سیرت نگاری کی روایت عربی میں بھی موجود ہے، فارسی میں کافی توانا ہے اور فارسی سے ہی یہ روایت اردو میں منتقل ہوئی ہے۔

اردو سیرت نگاری میں ادبی مظاہر کے دو بنیادی حصے ہیں، ایک تو نثر کے وہ مسلم ادبی اسالیب جو اردو میں مروج ہیں، انہیں اہل سیر نے سیرت نگاری کے لیے بھی استعمال کیا، ان میں ایک ادبیت سے بھرپور انشائی اسلوب ہے، دوسرا ناول اور کہانی کا انداز۔ سیرت طیبہؐ پر ادبی اسلوب میں بھی لکھا گیا ہے، بعض بڑے ادیبوں نے قلم اٹھایا تو ان کے قلم سے سیرت طیبہ پر بھی شاہ کار سامنے آئے۔ مولانا ابو الکلام آزاد جیسے اہل قلم کی تحریریں تحقیق سے زیادہ ادبی لطافت کے سبب پسند کی جاتی ہیں۔ البتہ ان کا تحقیقی پہلو بھی توجہ طلب ہے، تاہم اردو میں ادبی حوالے سے نمائندہ ترین کتب میں مولانا مناظر احسن گیلانی کی ''النبی الخاتمؐ'' ہے، جو اپنے موضوع پر بھی آج تک خاتم کا درجہ رکھتی ہے۔ مولانا ولی رازی کی تخلیق ''ہادی عالمؐ'' اردو ادبیات سیرت میں منفرد مقام رکھتی ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بے مثال کاوش تسلیم کی گئی ہے، جس کا ہر

۴۶- ڈاکٹر محمد حمید اللہ، **عہد نبویؐ کے میدان جنگ**، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۲ء، ص۱۰۲

اس کا ایک ایڈیشن تدوین و اضافے کے ساتھ ڈاکٹر محمد میاں صدیقی کی کاوش سے اسلام آباد سے شائع ہوا ہے۔ تقسیم کار ملت پبلی کیشنز، فیصل مسجد، ۱۹۹۸ء، ص۱۸۰

۴۷- خالد علوی، **انسان کامل**، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۳ء

ہر لفظ اردوئے معرا میں ہے، یعنی پوری کتاب بے نقط ہے (۴۸)۔

ادبی اصناف میں ناول کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ بعض اہل قلم نے بھی سیرت نگاری کے لیے بھی اس اسلوب کو اختیار کیا ہے۔ اردو میں پہلا سیرتی ناول عبد الحلیم شرر کا ''جویائے حق'' ہے۔ مولانا عبدالحلیم شرر اسلامی موضوعات کے حوالے سے تاریخی ناول نگاری کے بانی کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کا یہ ناول ان کے اسلوبِ تحریر کی عکاسی کرتا ہے (۴۹)۔ دوسرا ناول صادق حسین صدیقی کا ''آفتاب عالم'' ہے۔ قیام پاکستان کے بعد اس سلسلے کا اہم ترین ناول ماہر القادری کا ''دریتیم'' ہے، جو ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔ یہ اس موضوع پر اہم ترین تصنیف ہے، جس میں عام اسلوب سے ہٹ کر مبالغے اور تخیلاتی اسلوب سے پرہیز کیا گیا ہے۔اس ناول کی یہی خوبی اسے نہ صرف یہ کہ اس اسلوب میں لکھی گئی دیگر تحریروں سے نمایاں کرتی ہے بلکہ اس کا اسلوب بیانِ سیرت کے تقدس کو بھی مجروح نہیں ہونے دیتا (۵۰) ایک ناول آغاز اشرف کے قلم سے ''طائف'' کے نام سے ہے۔

ناول کے علاوہ اردو کے مسلم ادیبوں نے جب سیرت نگاری کے میدان سعادت میں قدم رکھا تو ان کے قلم سے نکلنے والے شہ پارے اردو سیرتی ادب کے بھی شہ پارے شمار ہوئے۔ ان اہل ادب میں مولانا ابوا لکلام آزاد، عبدالماجد دریا بادی اور مولانا مناظر احسن گیلانی جیسے صاحب اسلوب ادیب بھی ہیں، جن کا ادبی مقام اردو ادب میں مسلّم ہے (۵۱)۔ اردو کے چند مسلم صاحب طرز ادیبوں کے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں:

مولانا ابو الکلام آزاد

رات لیلۃ القدر بنی ہوئی نکلی اور خیر من الف شھر کی بانسری بجاتی ہوئی ساری دنیا میں پھیل گئی۔ موکلان شب قدر نے مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ (۵۲) کی سیجیں بچھا دیں۔ ملائیکان ملاء الاعلیٰ نے تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ

۴۸- مولانا ولی رازی، **ہادی عالم**، کراچی، دار العلم، ۱۹۸۲ء، ص ۴۱۶

۴۹- مولانا عبدالحلیم شرر، **مجلس علم و ادب**، راولپنڈی، اگست ۱۹۹۴ء، ص ۵۹۵

۵۰- ماہر القادری، **دریتیم**، لاہور، القمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۲ء، ص ۲۵۶

یہ کتاب سب سے پہلے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی تھی، اس ایڈیشن میں اس کے صفحات ۴۰۰ تھے۔

۵۱- راقم نے اردو کے سیرتی ادب کے ساٹھ کے قریب نمایاں اہلِ قلم کی تحریروں کے اقتباسات سیرت پارے کے عنوان سے ماہنامہ **تعمیر افکار** کی ایک خاص اشاعت میں جمع کیے ہیں۔شائع کردہ کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۹۳

۵۲- **القدر**: ۵

وَالرُّوْحُ فِيْهَا (۵۳) کی شہنائیاں شام سے بجانی شروع کردیں۔ حوریں بِاِذْنِ رَبِّهِمْ کے پروانے ہاتھوں میں لے کر فردوس سے چل کھڑی ہوئیں اور هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (۵۴) کی میعادی اجازت نے فرشگان مغرب کی دنیا میں آنے کی رخصت دے دی۔ تارے نکلے اور طلوعِ ماہتاب سے پہلے عروسِ کائنات کی مانگ میں موتی بھر کر غائب ہوگئے۔ چاند نکلا اور اس نے فضائے عالم کو اپنی نورانی چادرِ سیمیں سے ڈھک دیا۔ آسمان کی گھومنے والی قوسیں آپ اپنے مرکز پر ٹھہر گئیں۔ بروج نے سیاروں کے پاؤں میں کیلیں ٹھونک دیں۔ ہوا جنبش سے، افلاک گردش سے، زمین چکر سے، دریا بہنے سے رک گئے اور کارخانۂ قدرت کسی مقدس مہمان کا خیر مقدم کرنے کے لیے رات کے بعد اور صبح سے پہلے بالکل خاموش ہوگیا۔ انتظام و اہتمام کی تکان نے چاند کی آنکھوں کو جھپکا دیا، نسیم سحری کی آنکھیں جوشِ خواب سے بند ہونے لگیں۔ پھولوں میں نکہت، کلیوں میں خوش بو، کونپلوں میں بو محوِ خواب ہوگئی۔ درختوں کے مشام خوش بوئے قدس سے ایسے مہکے کہ پتا پتا مخمور ہو کر سر بہ سجود ہوگیا۔ ناقوس نے مندروں میں بتوں کے سامنے سر جھکانے کے بہانے آنکھ جھپکائی۔ برہمن سجدے کے حیلے سر بہ زمین ہوگیا۔ غرض یہ کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ ایک منٹ کے لیے غیر متحرک ہوگیا۔ اس کے بعد وہ منٹ آگیا، جس کے لیے یہ سب انتظامات تھے۔ فرشتوں کے پرے خوشیوں سے بھرے آسمانوں سے زمین پر اترنے لگے اور دنیا کے جمود میں ایک بیدار انقلاب پوشیدہ طور پر کام کرتا ہوا نظر آنے لگا (۵۵)۔

مولانا عبد الماجد دریا بادی

تو اَن پڑھ ہے اور حروف وکتاب سے ناآشنا، لیکن تیری عظمت کی گواہی دینے والے وہ ہوں گے، جنہیں ناز اپنے علم وفضل پر اور دعویٰ اپنے کمالِ فن کا ہوگا۔ کچھ لوگ تیرے اقوال اور ملفوظات کی جمع وتحقیق اور ان کی شرح وتفسیر میں اپنی اپنی عمریں بسر کریں گے اور بخاری ومسلم ابن حجر وابن جوزیؒ کی طرح محدثین کے گروہ میں محشور ہونا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھیں گے۔ ایک گروہ تیرے بتائے ہوئے احکام کی جانچ پڑتال اور ان سے استنباطِ جزئیات کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کردے گا اور ابو حنیفہؒ وشافعیؒ، مالک وابو یوسف، نخعی

۵۳- القدر: ۴

۵۴- القدر: ۵

۵۵- محمد خالد متین، **جب حضور آئے**، لاہور، فاتح پبلشرز، ۲۰۰۱ء، ص ۲۳ تا ۲۴

و مزنیؒ کے مثل افتا وتفقہ کو اپنے لیے باعثِ سعادت خیال کرے گا۔ ایک جماعت تیری باطنی تعلیمات کی دل دادہ ہو کر راہ سلوک و مجاہدے میں پڑ جائے گی اور کتنے ہی جنیدؒ وشبلیؒ، جیلانیؒ و اجمیری، تیری ہی مشعل سے اپنے اپنے چراغ نسلاً بعد نسلٍ جلاتے رہیں گے۔ رومیؒ و سعدیؒ، حافظ وسنائیؒ، اکبر و اقبال، اپنے شاعرانہ کمالات کو تیری غلامی پر نثار کردیں گے۔ ابو حامد غزالیؒ اور ولی اللہ دہلویؒ اپنی سربلندی تیرے ہی بتلائے ہوئے حقائق و اسرار کی تشریح و ترجمانی میں سمجھیں گے۔اور رازی و طوسی، فارابی و ابن سینا کو عقل و دلیل کے طوفان میں اگر پناہ کہیں ملے گی تو تیرے ہی دامن کے سائے میں (٥٦)۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی

یوں تو آنے کو تو سب ہی آئے، سب میں آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو ان پر) بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے، لیکن کیا کیجیے کہ ان میں جو بھی آیا، جانے کے لیے آیا، پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لیے آیا، وہی جو اگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور پھر چمکتا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے،سب جانتے ہیں اور سبھوں کو جاننا ہی چاہیے کہ جنہیں کتاب دی گئی اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کیے گئے ، برگزیدوں کے اس پاک گروہ میں اس کا استحقاق صرف اسی کو ہے اور اس کے سوا کس کو ہو سکتا ہے جو پچھلوں میں بھی اس طرح ہے جس طرح پہلوں میں تھا۔ دور والے بھی اس کو ٹھیک اسی طرح پا رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے، جس طرح نزدیک والوں نے پایا تھا، جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے اور ہمیشہ پہچانا جائے گا جس طرح کل پہچانا گیا تھا کہ اس کے اور صرف اسی کے دن کے لیے رات نہیں، ایک اسی کا چراغ ہے جس کی روشنی بے داغ ہے (٥٧)۔

اردو نثر کے ساتھ ساتھ نظم میں بھی سیرت نگاری کے مظاہر موجود ہیں، خصوصاً شعرا کی ایک بڑی تعداد نے واقعات سیرت کو نظم کرنے کی سعی کی ہے، اور ان کی کاوشیں اردو سیرت نگاری کے اہم حصے یعنی ادبی اسلوب کے فروغ کے لیے صرف ہوئی ہیں۔ اس حوالے سے ایک معلوماتی مضمون پروفیسر عبد الجبار شاکرؒ کے قلم سے ''السیر ۃ'' کے شمارہ ٢٠ میں شائع ہوچکا ہے، جس میں٦٦ منظوم کتب سیرت کا ذکر ہے (٥٨)۔ محتاط اندازے کے مطابق اب تک ١٠٠ کے قریب کتب سیرت منظوم اسلوب میں شائع ہوچکی ہیں۔ اس سلسلے میں حافظ محمد عارف گھانچی کی مرتب کردہ فہرست بھی لائقِ مطالعہ ہے، جس میں انہوں نے ١٢٠ کے لگ بھگ منظوم

٥٦- عبدالماجد دریا بادی، **سلطانِ ما محمد ﷺ**، لاہور، مقبول اکیڈمی، ١٩٩٦ء، ص ٦٥-٦٨

٥٧- مولانا سید مناظر احسن گیلانی، **النبی الخاتم**، لاہور، مکتبہ رشیدیہ، ١٣٩٩ھ ،ص ٧

٥٨- پروفیسر عبدالجبار شاکر، **منظوم سیرت نگاری، ایک علمی و تحقیقی جائزہ**، ششماہی السیرۃ، ش ١٩، ص ٣٠١

کتبِ سیرت کا احاطہ کیا ہے[۵۹]۔

۹۔ متصوفانہ اسلوب / سیرتِ طیبہ کا روحانی پہلو

سیرت نگاری کا ایک مستقل اور جداگانہ اسلوب متصوفانہ اسلوب ہے، جسے سیرتِ طیبہ کا روحانی پہلو بھی قرار دے سکتے ہیں۔ حدیثِ جبرئیل سے مستنبط حیاتِ انسانی کا روحانی پہلو عملی طور پر بھی نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔ کارِ نبوت میں تزکیے کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ یہی سبب ہے کہ صحابہ اور تابعین کے زمانے سے اس پر تحریر اور غور و فکر کا سلسلہ ہمیں نظر آتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس پہلو کو بھی نہایت تفصیل سے مختلف اسالیب میں بیان کیا ہے ۔قرآنی تعلیمات سے مترشح ہوتا ہے کہ انسان کی تمام تر سرگرمیوں کا دارومدار قلب اور روح پر ہے، یہی بات حدیث میں یوں کہی گئی ہے۔

الا ان فی الجسد مضغة ان صلحت صلح الجسد کله و ان فسدت فسد الجسد کله الاوهی القلب[۶۰]

انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ایسا ہے کہ اگر وہ درست رہے تو پورا جسم درست رہتاہے، اور اگر وہ خراب ہوجائے اور فاسد ہوجائے تو پوراجسم خراب اور فاسد ہوجاتاہے، آگاہ رہو! وہ دل ہے۔

حدیثِ جبرائیل میں جب اجنبی (حضرت جبرائیل) نے پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”الإحسان ان تعبد الله کانك تراه فان لم تکن تراه فانه یراك“[۶۱]

احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اس لیے کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔

یقین اور حضوری کا یہ احساس جب مکمل طور پر بیدار ہوجائے اور انسان ہر وقت یہ محسوس کرتا رہے کہ میں مسلسل اللہ کی نظروں میں ہوں، اللہ تعالیٰ کی چشم بینا مسلسل مجھے دیکھ رہی ہے تو اس سے یقین و ایمان کی اور ہی کیفیت ہوجاتی ہے۔ اس شعور اور یقین کے ساتھ جب عبادت انجام دی جائے گی، تو اس کی کیفیت ہی کچھ اور ہوگی۔ اسی کیفیت کو احسان کہتے ہیں۔ اس کیفیت کا اصل اور معیاری درجہ تو یہ ہے کہ انسان چشمِ

۵۹۔ حافظ محمد عارف گھانچی، **فہرست منظوم کتب سیرت**، ششماہی السیرۃ عالمی، اگست ۲۰۱۰ء، ش ۲۴، ص ۲۸۷

۶۰۔ محمد بن اسماعیل بخاری، **الصحیح**، بیروت، دار ابن کثیر، ۱۹۸۷ء، ج ۱، ص ۲۸، رقم ۵۲

۶۱۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۷، رقم ۵۰

عقیدت سے چشمِ ایمان سے اور چشمِ بصیرت سے اللہ کو دیکھ رہا ہو۔ حقائق خداوندی کا ادراک کر رہا ہو۔ لیکن اگر ادراک کی سطح وہ نہ ہو تو کم ازکم یقین کی اتنی سطح ہونی چاہیے کہ انسان یہ محسوس کرے کہ میں مسلسل اللہ کی نظروں میں ہوں۔ یہ احساس اسی وقت ہوسکتا ہے جب دلوں کی صفائی اور پاکیزگی ایک خاص سطح پر پہنچ گئی ہو۔ نفوس کا تزکیہ اتنا ہوچکا ہو کہ انسان کے دل میں غلط خیالات اور احساسات پیدا نہ ہوں(۶۲)۔

برعظیم کے متصوفانہ سیرتی لٹریچر کا بڑا حصہ تو وہ ہے جو اکابر صوفیائے کرام کی کوششوں کے نتیجے میں سامنے آیا ہے اور وہ کتب چونکہ عربی اور فارسی میں ہیں، اس لیے ان کی معلومات اور مباحث اردو تراجم کے ذریعے اردو کے سیرتی ادب کا حصہ بنے ہیں۔ ان میں ابوالنصرسراج کی ''کتاب اللمعہ''، ''رسالہ قشیریہ''، شیخ علی ہجویری کی ''کشف المحجوب''، امام غزالی کی ''احیاء علوم الدین''، مجدد الف ثانی کے ''مکتوبات'' اور متعدد رسائل سمیت اکابر صوفیا کی سوانح اور ملفوظات شامل ہیں۔ مگر ان کتب کا چوں کہ بڑا حصہ تعلیماتِ تصوف پر مشتمل ہے اس لیے ان کتب کا شمار کتب سیرت میں نہیں کیا جاتا، البتہ امام ابن قیم جوزیہ کی **زادالمعاد** بالاتفاق کتاب سیرت ہے۔ وہ جہاں فقہیاتِ سیرت کی نمائندہ ترین کتاب قرار دی جاسکتی ہے، وہیں یہ روحانیاتِ سیرت کا بھی بڑا عمدہ بیان کرتی ہے۔ توکل کی حقیقت کیا ہے؟ توکل کس کو کہتے ہیں، توکل کہاں کرنا چاہیے اور کہاں نہیں کرنا چاہیے، کیا ترک اسباب کا نام توکل ہے، اگر ترک اسباب کا نام توکل ہے تو رسول اللہ ﷺ نے تو اسباب اختیار فرمائے ابن قیم نے ان سب سوالات سے سیرت کی روشنی میں بحث کی ہے۔ انہوں نے جابجا توکل، صبر اور شکر جیسے خالص روحانی اور اخلاقی اقدار اور اصولوں پر سیرت نبویؐ کی روشنی میں تفصیل سے کلام کیا ہے(۶۳)۔ یوں **زادالمعاد** کو روحانیات سیرت کے سلسلے کی بھی اہم ترین کتاب قرار دیا جاسکتا ہے۔ اپنے اردو ترجمے کے ذریعے یہ کتاب اور اس کے مباحث بھی اردو ذخیرۂ سیرت کا حصہ ہیں۔

اردو میں اس کے علاوہ بھی ایسی کتب موجود ہیں اور ایسے موضوعات پر مضامین بھی لکھے گئے ہیں، جنہیں متصوفانہ سیرت، یا سیرت طیبہ کا روحانی پہلو قرار دے سکتے ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی کی کتاب ذکرِ رسول ﷺ ''مثنوی رومی'' میں بھی اس سلسلے کی ایک کتاب ہے جس میں مؤلف نے ''مثنوی'' میں موجود مباحث سیرت کو ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے(۶۴)۔

ڈاکٹر سید محمد ابو الخیر کشفی نے اس سلسلے کے دومضامین تحریر کیے تھے۔ ''تجلیات محمد ﷺ اور حضرت مجدد

۶۲- ڈاکٹر محمود احمد غازی، **شریعت اسلامیہ اورعصر حاضر**، اسلام آباد، انسٹیٹوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، ص ۲۳۶

۶۳- **محاضرات سیرت**، ص ۲۹۱

۶۴- ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی، **ذکررسول ﷺ مثنوی رومی**، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص ۲۳۲

الف ثانیؒ"،(۶۵) اور "سیرت النبیؐ" اور "مولانا سید زوار حسین"(۶۶) ان مضامین میں ڈاکٹر کشفی نے ان دونوں شخصیات کی اہم تحریروں سے مباحث سیرت کو یک جا کیا ہے اور ان کا تجزیہ اور تعارف پیش کیا ہے۔ یہ دونوں شخصیات بنیادی طور پر تصوف سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کی زیادہ تر تحریریں تصوف سے ہی متعلق ہیں، جس کا اثر ان کے بیان کردہ ان مباحث میں بھی نظر آتا ہے، جن کا ذکر ڈاکٹر کشفی نے اپنی ان تحریروں میں کیا ہے۔

حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب "خلافت ختم المرسلین ﷺ کی روحانی ومادی جہتیں" از ابو ناصر بن احمد لودھی بھی اس اسلوب کے تحت تحریر ہونے والی کتاب کہی جاسکتی ہے۔ اس کے زیادہ تر مباحث تصوف کے ہی گرد گھومتے ہیں، مگر ان مباحث سے استفادہ آسان نہیں ہے، اسلوب بھی گنجلک ہے اور تکرار و تطویل کے سبب عام قاری کے لیے اس کتاب سے استفادہ مشکل معلوم ہوتا ہے(۶۷)۔

۱۰۔ فلسفیانہ اسلوب

فلسفہ انسانی مزاج کا حصہ ہے۔ انسانی مزاج کی اقسام کی طرح فلسفے کی شاخوں کو بھی متعین نہیں کیا جا سکتا۔ فلسفے کو جاننے والے اور فلسفیانہ مزاج کے حامل لوگ ہر عہد میں کم ہی ہوتے ہیں، ایسی تحریروں کا دائرہ بھی ہمیشہ محدود رہتا ہے۔ یہی صورت حال اردو سیرتِ نگاری کی بھی ہے، اس اسلوب میں اردو میں تحریریں تو موجود ہیں، مگر ان کی تعداد کم ہے۔ پہلے فلسفے سے ہماری مراد خالصتاً فلسفیانہ مباحث یا ان کا ما بعد الطبیعیاتی حصہ نہیں۔ اس کا تعلق تو کلامی مباحث سے ہے اور اس پر وہیں گفتگو ہو گی، یہاں ہماری مراد ایسے مباحث ہیں جن میں کسی بھی موضوع کی حکمتوں اور واقعات کے فلسفیانہ پہلو کو بھی زیر بحث لایا گیا ہو۔ اردو سیرت میں اس اسلوب کی جھلکیاں تو بہت سی کتب میں نظر آتی ہیں، مگر خصوصیت کے ساتھ جن سیرت نگاروں کا قلم اس اسلوب کا حامل ہے، ان میں سے چند حوالے درج کیے جاتے ہیں۔

"سیرت النبی ﷺ" کی بعض جلدوں اور اکثر مباحث میں یہ اسلوب نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ جلدیں علامہ سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے ہیں۔ مثال کے طور پر حصہ سوم میں سید صاحب نے معجزات نبویؐ کے فلسفے پر تفصیل سے بحث کی ہے اور فلسفۂ قدیم اور علم کلام سے اسلامی عقائد کا تقابل کیا ہے۔ اسی طرح فلسفۂ جدیدہ سے بھی اس ضمن میں اعتنا کیا ہے۔ حصہ چہارم میں منصبِ نبوت کے فلسفیانہ مباحث کو زیر بحث

۶۵- سید فضل الرحمٰن، مدیر، **ششماہی السیرۃ عالمی**، اکتوبر ۲۰۰۵ء، ش ۱۴، ص ۳۷۱

۶۶- ایضاً، شمارہ ۱۳، اپریل ۲۰۰۵ء، ص ۲۵۱

۶۷- ابو ناصر بن احمد لودھی، **خلافتِ ختم المرسلین ﷺ کی روحانی و مادی جہتیں**، راولپنڈی، فانوس پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۹۳۰

لائے ہیں اور ضمنی طور پر جنت ،دوزخ اور قضا و قدر کے مسائل پر بھی گفتگو کی ہے۔حصہ پنجم میں اعمال صالحہ کی اقسام پر بحث کرتے ہوئے عبادات اور ان کی اقسام بیان کی ہیں تو ان کے فلسفے پر بھی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح حصہ ششم میں اسلامی فلسفۂ اخلاق پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔سید صاحب کا اسلوب ان مباحث میں انتہائی عالمانہ اور فلسفیانہ ہونے کے ساتھ ساتھ موضوع کی مناسبت سے زیادہ ثقیل اور گنجلک بھی نہیں ہے، اس بنا پر ہر شخص ان مباحث سے استفادہ کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد ذکی کی ''اعجاز سیرت''(۶۸) اس موضوع کی کتاب قرار دی جا سکتی ہے، انہوں نے اپنے بیانات کو قرآنی آیات سے مربوط کیا ہے، اور بہت سے واقعات کی ترتیب کو قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں زیرِ بحث لائے ہیں۔ گو اس اسلوب میں انہیں قیاس سے زیادہ کام لینا پڑا ہے، اور بہت سے مقامات پر وہ کم از کم متوسط سطح کے عام قاری کے سامنے اپنی بات واضح کرنے میں کام یاب نہیں ہو سکے، مگر ان کا اسلوب سیرت نگاری میں قدرے انفرادیت کا حامل ہے۔ ایک مثال سے بات واضح ہو سکے گی۔ غزوۂ بدر کی بحث کر کے وہ اس کی ابتدا اور قریش کے قافلے کو روکنے کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس طرح کی مزاحمت، قافلوں کی روک ٹوک اور متنبہ کرنے کا سلسلہ تقریباً ڈیڑھ سال تک جاری رہا لیکن قریش پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اگر چاہتے تو اس مہلت سے فائدہ اٹھا سکتے تھے اور اس سلسلے میں کسی بھی طرح صلح کا معاہدہ کر سکتے تھے۔سیدھی سی بات تھی،وہ مسلمانوں پر حرم کا راستہ کھول دیتے اور مسلمان ان پر شام کی تجارتی شاہراہ کھلی رہنے دیتے،مسلمان اطمینان سے حج و عمرہ کرتے اور یہ بلا روک ٹوک اپنا مالِ تجارت لے جاتے رہتے، نیز مکے کے لوگ مدینے اور مدینے کے لوگ مکے جاتے،سب اپنے عزیزوں، رشتے داروں سے ملتے، حالات بہ تدریج معمول پر آتے اور امن و امان قائم ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے اس موقعے کو بھی ہاتھ سے کھو دیا، بلکہ مدینے پر حملے کی تیاری ہی میں مصروف رہنا زیادہ پسند کیا(۶۹)۔

پھر وہ قرآن کریم کے مشہور قصۂ طالوت کو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مذکورہ حالات و آثار بتا

۶۸- محمد ذکی،ڈاکٹر، **اعجاز سیرت**، انڈیا،علی گڑھ،بیکن پبلشرز،۲۰۰۳،ص۲۸۲

۶۹- ایضاً: ص۱۳۴

رہے تھے کہ عنقریب جنگ ہونے والی ہے۔ غالباً اس سے کچھ ہی پہلے بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک واقعہ(۷۰) کہہ کر انہوں نے قصۂ طالوت کے سلسلے میں وارد آیاتِ قرآنی کا ترجمہ پیش کیا ہے(۷۱)۔ پوری کتاب میں یہی اسلوب نمایاں ہے۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کی کتاب ''پیغمبر اعظم و آخر'' بھی اسی اسلوب کی نمائندہ کہی جا سکتی ہے، جس میں مؤلف نے واقعاتِ سیرت کا تسلسل برقرار رکھتے ہوئے فلسفیانہ اسلوب میں قاری کو واقعاتِ سیرت کے بین السطور موجود دروس و عبر کی جانب متوجہ کیا ہے۔ پروفیسر نصیر احمد ناصر بنیادی طور پر فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت شستہ اور رواں اردو لکھنے والے ادیب تھے۔ ان کے قلم کی چاشنی ان کی اس کتاب میں عروج پر نظر آتی ہے، اور ان کے قلم کا ہی امتیاز ہے کہ فلسفیانہ اسلوب بیان سیرت کو بوجھل نہیں بناتا اور قاری کی دلچسپی آخر تک برقرار رہتی ہے۔ کتاب کی ایک موضوعاتی خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف نے ابتدا میں بعض اصطلاحات کی وضاحت بھی کی ہے، یہ اضافہ بجائے خود دلچسپ باب ہے۔ اس حصے میں سب سے آخر میں طمانیت و مسرت پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> خوف و حُزن کی ماہیت آگ یا تپش و سوزش اور طمانیت و مسرت کی ماہیت ٹھنڈک ہے۔ کفر و شرک، ظلم و شر یا جرم و گناہ کا حاصل آتشِ خوف و حُزن ہے جو قلب کو محیط ہو جاتی ہے اور یہ اصلِ عذاب ہے۔ اس کے برعکس ایمان و اعمال صالحہ یا خیر و حسنہ، احسان و عدل سے قلب کو ایسی ٹھنڈ پہنچتی ہے، جس سے وہ مطمئن ہو جاتا ہے۔ یہ ٹھنڈک کمیت و کیفیت میں زیادہ اعلیٰ ہو تو اسے مسرت یا سرور یا جمالیاتی حِظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قلب اس اعتبار سے اخلاقی و روحانی اقدار یا خیر و شر کے جانچنے کا ایک سچا اور عالم گیر معیار ہے۔ اس معیار کے ذریعے انسان یہ معلوم کر سکتا ہے کہ وہ نیک و صالح ہے یا گنہ گار و طالح۔ اگر اس کا نفس مطمئن ہے تو وہ نیک و صالح، ولی اللہ اور وارثِ جنت ہے لیکن اگر اس کا قلب آتشِ خوف و حزن کی وجہ سے مضطرب و بے قرار ہو تو وہ بدکار و گناہ گار اور اہل دوزخ میں سے ہے(۷۲)۔

۷۰- ایضاً

۷۱- **البقرہ:** ۲۴۶-۲۵۱

۷۲- ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، **پیغمبرِ اعظم و آخر**، لاہور، فیروز سنز، س ن۔ ص ۱۵۴

حال ہی میں ابو ناصر بن احمد لودھی کی ضخیم کتاب ''خلافتِ ختم المرسلین ﷺ کی روحانی و مادی جہتیں'' سامنے آتی ہے، یہ ضخیم تالیف بیک وقت فلسفیانہ اسلوب اور متصوفانہ منہج و مسائل کی حامل ہے، خود اس کا عنوان بھی اس کی عکاسی کرتا ہے۔

سید واجد رضوی کی کتاب'' پیغمبر رحمت اور انسان کے بنیادی مسائل'' بھی اس اسلوب میں لکھی گئی ایک رہ نما کتاب سیرت کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر تین بنیادی انسانی مسائل: خوف، بھوک، جہالت سے بحث کرتی ہے۔ مؤلف کا عام اسلوب یہ ہے کہ ان بنیادی مسائل کی وجوہات پر بحث کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مضمرات پر بھی روشنی ڈالتے ہیں اور ان سے وابستہ دنیاوی اور مابعد الطبیعیاتی مسائل پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔ کتاب کا اسلوب سادہ اور عالمانہ ہے، اور غور وفکر پر ابھارتا ہے۔ خوف اور غم پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''نوعِ انسانی کا واسطہ ہمیشہ متعدد غیر اسلامی مذاہب سے بھی رہا ہے۔ ان مذاہب میں اگر ایک پہلو حق کا ہے تو دوسرا باطل کا بھی موجود ہے۔ اسلام کے سوا کوئی مذہب بھی انسانی مسائل کو توازن کے ساتھ حل کرنے کی صلاحیت اپنے اندر نہیں رکھتا۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو عقیدۂ توحید کی طاقت اور برکت سے بیک وقت متوازن مادی ترقی اور اخلاقی و روحانی ارتقا کی بھر پور ضمانت دیتا ہے۔ اجتماعی نظامات کی فلاح کے لیے اسلام خود انسان کے ضمیر میں اپنی بنیادیں تعمیر کرتا ہے۔ فرد کے لیے وہ وسیع میدان فراہم کرتا ہے جس میں خوف اور غم سے محفوظ ہو کر مادی اور روحانی ترقی کی جا سکتی ہے۔ اسلام زندگی کو ایک وحدت قرار دیتا ہے۔ اس کی نظر میں زندگی کے تمام پہلو: سیاست، معیشت، معاشرت، اخلاق، عبادت، حیاتی وحدت کے ساتھ ایک ہی نظم میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور منسلک ہیں۔ اس طرح اسلام زندگی کے تمام مقاصد میں ترتیب قائم کر کے ان کو ہم آہنگ کر دیتا ہے اور خدائے برتر کی ذات سے وابستہ کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی عظیم تر ملت کی تعمیر کے لیے روحانی بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مضبوط بنیاد ہمیں صرف توحید میں ہی مل سکتی ہے (۷۳)۔

۷۳- سید واجد رضوی، **پیغمبر رحمت اور انسان کے بنیادی مسائل**، لاہور، مکتبہ مدنیہ، ۱۹۹۲ء، ص ۳۸

مولانا قاری محمد طیبؒ کی کتاب ''سیرت طیبہ'' بھی اسی اسلوب کی ایک اہم کتاب ہے۔ مولانا کا تعارف ایک عالم، مفکر اور فلسفی کا ہے، اس کتاب میں علم، تفکر اور تفلسف سب کے مظاہر نمایاں ہیں۔ یہ کتاب درحقیقت ان کے چند خطبات کا مجموعہ ہے، مگر اسلوب کے لحاظ سے یہ ایک مرتب کتاب محسوس ہوتی ہے۔ کتاب کے مباحث چار سو صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، جن کا احاطہ ان سطور میں ممکن نہیں، اسلوب کی وضاحت کے لیے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے، صوفیائے کرام کی اصطلاحِ فنائیت کی فلسفیانہ تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> جب اتنا قریب ہو جائے کہ گویا تمام اعمال محبوب کو دیکھ کر کر رہا ہے تو اب یہ نہیں ہوسکتا کہ صرف دیکھنے پر قناعت کرے، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ نہ صرف دیکھوں، بلکہ معانقہ کروں، گلے لگوں۔ ایک وقت یہ بھی آتا ہے کہ اس معرفت و احسان کے بعد جی چاہتا ہے کہ مصافحہ کروں، حق تعالیٰ سے مل لوں۔ حدیث میں فرمایا گیا:
>
> ''لا یزال یتقرب عبدی بالنوافل حتی کنت سمعه اللتی یسمع به و بصره الذی یبصره و یده اللتی یبطش بها''
>
> بندہ نوافل پڑھتے پڑھتے مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

یعنی ظاہری اعضا اس کے ہوتے ہیں، قوتیں میری کام کرتی ہیں۔ یہ گویا وہ مقام ہے کہ اپنے نفس کو ہٹا کر ختم کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کر دیا اور حق تعالیٰ کی ذات اور تجلیات کے اندر غرق ہوگیا۔ لا یزال یتقرب عبد......الخ(۷۴)

یہ چند باتیں اس لیے پیش کی گئی تاکہ اندازہ ہوسکے کہ فلسفیانہ اسلوب سے ہماری کیا مراد ہے اور اس اسلوب میں اردو سیرت نگاروں نے کیا کیا شہ پارے تخلیق کیے ہیں۔

۱۱- دعوتی اسلوب

سیرتِ طیبہ پر اردو میں لکھی گئی کتب میں ایک اسلوب جو بہت نمایاں رہا ہے وہ دعوتی اسلوب ہے۔ یہ بات بار بار دہرائی جا رہی ہے کہ عمومی اعتبار سے اردو کی کتب سیرت کو اس انداز میں بحیثیتِ اسالیب تقسیم

۷۴- قاری محمد طیب، **سیرت طیبہ**، مرتب پروفیسر امجد علی شاکر، لاہور، علم دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۴۰۷

کرنا ممکن نہیں کہ ان کو کسی خاص اسلوب تک محدود کر دیا جائے، اکثر کتب میں بیک وقت کئی کئی اسالیب موجود ہوتے ہیں۔ دعوتی اسلوب کا بھی یہی معاملہ ہے۔ بہت سے اہلِ سیر نے بیانِ سیرت کے دوران دعوتی اسلوب کو پیشِ نظر رکھا ہے، مگر یہاں ہماری مراد ایسی کتب سے ہے جن میں یہ اسلوب نمایاں نظر آتا ہے۔ اردو سیرت نگاری میں اس نوعیت کی دو کتب بہت نمایاں ہیں: ایک مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی ''نبی رحمت ﷺ'' اور دوسری مولانا وحید الدین خان کی ''پیغمبرِ انقلاب''۔ اس کے علاوہ بھی چھوٹی بڑی بہت سی کتب ایسی موجود ہیں جن پر اس اسلوب کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ جن میں خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر اسرار احمد کی چند مختصر کتب مثلاً ''نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت''،(۷۵) ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں''،(۷۶) ''حبِ رسول ﷺ اور اس کے تقاضے''،(۷۷) ''عظمت مصطفیٰ''،(۷۸) ''رسولِ کامل ﷺ''،(۷۹) شامل ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بنیادی طور پر ایک داعی اور مفکر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی شخصیت کا تعارف ایک معتدل الفکر اور متوازن رہبر کا ہے۔ ان کی فکر کے یہ امتیازی پہلو ان کی کتاب ''نبی رحمت ﷺ'' میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ پوری کتاب ایک خاص آہنگ اور دعوتی اسلوب کے خاص اسلوب میں تحریر کی گئی ہے۔ اہلِ تحقیق کے لیے شاید اس میں کوئی دلچسپی کی چیز نہ ہو مگر عام قارئین کے لیے دعوتی اسلوب کے حوالے سے یہ ایک نمائندہ کتاب کہی جا سکتی ہے۔ علی میاں نے نہ صرف یہ کہ پوری حیاتِ طیبہ اسی اسلوب میں تحریر کی ہے، بلکہ آخر میں اخلاق و شمائل اور آپ ﷺ کی رحمت للعالمینی کے حوالے سے بہت عمدہ بحث کی ہے اور آپ ﷺ کی رحمت اور احسانات کے بہت سے پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے، اور بتایا ہے کہ کس طرح آپ ﷺ کی بعثتِ مبارکہ نے دورِ جاہلیت کو دورِ رحمت میں تبدیل کر دیا(۸۰)۔

مولانا وحید الدین خان کا تعارف بھی ایک داعی اور مفکر کا ہے۔ مولانا وحید الدین خان کی تمام تحریریں اس اسلوب کی نمائندہ تحریریں کہی جا سکتی ہیں۔ مولانا کی انفرادی آراء اور بعض مسلمات سے انکار اپنی جگہ مگر خصوصیت کے ساتھ سیرتِ طیبہ کے حوالے سے ان کی دعوتی تحریروں کی اہمیت مسلم ہے۔ اس حوالے سے ان

۷۵- لاہور، مکتبہ، انجمن خدام القرآن، ۱۹۸۹ء، ص۷۲

۷۶- ایضاً، ص۴۰

۷۷- ایضاً، ۱۹۹۱ء، ص۳۲

۷۸- ایضاً، ۲۰۰۱ء، ص۵۹

۷۹- ایضاً، ۱۹۸۳ء، ص۸۷

۸۰- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، **نبیؐ رحمت**، کراچی، مجلس نشریاتِ اسلام، س ن، ص۶۹۴

کی نمائندہ ترین کتاب ''پیغمبرِ انقلاب'' کہی جا سکتی ہے[۸۱]۔ مولانا کی سیرتِ طیبہ کے حوالے سے اس کے علاوہ بھی بہت سی چھوٹی بڑی کتب موجود ہیں، جن میں ''سیرتِ رسول ﷺ'' [۸۲] اور ''مطالعہ سیرت'' [۸۳] شامل ہیں۔

سید فضل الرحمٰن کی ''پیغامِ سیرت'' بھی جو اخلاقِ نبوی ﷺ کے دس اہم موضوعات پر مفصل مقالات کا احاطہ کرتی ہے دعوتی اسلوب میں لکھی جانے والی اہم کتاب ہے۔ اس کتاب میں روزمرہ مسائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہمارے آج کے سماجی رویوں کو زیرِ بحث لایا گیا ہے، اور سیرتِ طیبہ کی روشنی میں معاشرے میں رواج پانے والی سماجی برائیوں اور عملی کوتاہیوں کی نشان دہی کی گئی ہے[۸۴]۔

راقم کی کتاب ''درسِ سیرت'' بھی اسی پہلو کو مدِنظر رکھ کر تحریر کی گئی ہے۔ یہ کتاب بنیادی طور پر اخلاقِ نبوی ﷺ کے پچاس کے قریب مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کتاب میں دعوتی اسلوب اس بنا پر اختیار کیا گیا ہے تاکہ اخلاقِ نبوی ﷺ کے نہایت اہم پہلو محض علمی طور پر درس و تدریس تک محدود نہ رہیں، بلکہ وہ عملاً ہمارے اخلاق اور کردار کا حصہ بن جائیں[۸۵]۔

دعوتی اسلوب ایک اہم ترین اسلوب ہے، جس کو بنیاد بنا کر ہم سیرتِ طیبہ کے پیغام کو ہر طبقۂ فکر تک پہنچا سکتے ہیں۔

سیرتِ طیبہ کا اطلاقی پہلو

نبیٔ کریم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کو جب قرآنِ حکیم نے اسوۂ حسنہ قرار دیا [۸۶] تو اس کا مفہوم یہی تھا کہ آپؐ کی تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے ہمیں چاہیے کہ اپنی عملی زندگی کو ان کے مطابق ڈھالیں اور ہر نوعیت کی پیش آمدہ صورتِ حال میں جنابِ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی اسوۂ حسنہ سے رہ نمائی حاصل کریں۔ چونکہ کارزارِ حیات میں انسان قدم قدم پر رہ نمائی کا محتاج ہے اس لیے رہ نمائی کا یہ سلسلہ مسلسل عمل

۸۱- مولانا وحید الدین خاں، **پیغمبرِ انقلاب**، لاہور، المکتبۃ الاشرفیہ، ۱۹۷۳ء، ص ۲۰۸، اس کتاب کے اس کے بعد بھی متعدد ایڈیشن شائع ہوئے جن میں فضلی سنز کراچی ۱۹۹۵ء اور دارالتذکیر لاہور ۲۰۰۸ء شامل ہیں۔

۸۲- مولانا وحید الدین خاں، **سیرتِ رسول ﷺ**، لاہور، دارالتذکیر، ۲۰۰۴ء، ص ۲۳۲

۸۳- مولانا وحید الدین خاں، **مطالعہ سیرت**، لاہور، دارالتذکیر، ۱۹۹۹ء، ص ۴۰۸، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۹ء

۸۴- سید فضل الرحمٰن، **پیغامِ سیرت**، کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۳۲۰

۸۵- سید عزیز الرحمٰن، **درسِ سیرت**، کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۲۷۴

۸۶- **الاحزاب: ۲۱**

کی صورت میں جاری رہنا چاہیے۔ یہ اختصاص اردو سیرت نگاری کو ہی حاصل ہے کہ بیسویں صدی میں اس نے خاص طور سے تعلیماتِ نبویﷺ اور اسوۂ حسنہ سے رہ نمائی کے مختلف علمی اسالیب اختیار کیے۔ سیرتِ طیبہ کے اطلاقی پہلو کی طرف زیادہ توجہ بیسویں صدی میں اردو سیرت نگاری کا انتہائی اہم رجحان ہے اور اس رجحان نے بھی سیرتی ادب میں اردو سیرت نگاری کو نمایاں مقام دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔اس سلسلے میں تحریریں لکھی گئیں، مقالات پیش کیے گئے، مسانیدِ سیرت قائم ہوئیں، مذاکراتِ سیرت منعقد ہوئے، اور سیرت کانفرنسوں کا طویل سلسلہ قائم ہوا۔ ان سرگرمیوں کے نتیجے میں نئے موضوعات سامنے آئے اور ان پر اہلِ قلم نے دادِ تحقیق دی، جس کے نتیجے میں اردو سیرتی ادب باثروت ہوا۔ ناسپاسی ہوگی اگر ہم اس ضمن میں وزارتِ مذہبی امور، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد کی جانب سے گزشتہ ۳۰،۳۵ برسوں سے تواتر کے ساتھ شائع ہونے والی سیرت کانفرنسوں کی افادیت اور اہمیت کا ذکر نہ کریں۔ان کانفرنسوں نے موضوعاتِ سیرت کی وسعت اور اس سلسلے میں اہلِ قلم کو متحرک کرنے میں اہم کردار ادا کیا(۸۷)۔

سیرتِ طیبہ کے اطلاقی پہلو پر اردو میں مقالات کے علاوہ جو اہم کتب شائع ہو چکی ہیں،ان میں سے چند کے عنوانات پیش کیے جاتے ہیں، جس سے اس حوالے سے اردو سیرت نگاری کے ثروت مند ہونے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

- اسلامی قیادت سیرت رسولﷺ کے آئینے میں۔خرم مراد۔اسلامک پبلی کیشنز، لاہور،۱۹۹۴ء، ۹۶ص
- اسوۂ مصطفیٰﷺ نمونہ کامل۔سید فیاض الحسن۔حضرت سلطان باہو ٹرسٹ۔لاہور۔۴۰ص
- انسان کامل، محمد منیر قریشی، نذیر سنز پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ۱۶۴ص
- انقلاب رسولﷺ، رانا صابر نظامی، ادارہ تحریک اسلامی، لاہور، ۱۷۶ص
- پیغام محبت اور انسانیت، ثاقبہ رحیم الدین، ثاقبہ رحیم الدین جامی روڈ، راولپنڈی، ۱۹۸۱ء، ۹۹ص
- پیغمبر اسلام کی سماجی زندگی، انعام اللہ جان، مکان نمبر ۲۰، گلی نمبر ۳۱، جی ۶، اسلام آباد ۱۹۸۱ء، ۱۴۴ص
- پیغمبری غذائیں، حکیم نور احمد، مکتبہ نور صحت، لاہور، ۱۹۸۲ء، ۱۲۰ص
- تجارت رحمت للعالمینﷺ کی نظر میں، عبدالمومن بنگش، مکتبہ عمر فاروق، کراچی، ۱۹۸۶ء، ۱۷۱ص
- تکریم والدین مصطفیٰﷺ، مولانا عبدالرزاق، جامعۃ العلوم، راولپنڈی، ۱۹۹۹ء، ۵۲ص

۸۷- راقم اس کانفرنس کی تفصیلات، ان کانفرنسوں کے موضوعات، وزارتِ مذہبی امور کے تحت ہر سال کانفرنس کے موقع پر ہر سال منعقد ہونے والے مقابلۂ کتبِ سیرت میں ایوارڈ حاصل کرنے والی کتب کی فہارس اپنے ایک تفصیلی مضمون **پاکستان میں سیرت نگاری ایک تعارفی، تجزیاتی مطالعہ** میں پیش کر چکا ہے۔

- چند تصویریں (سیرت کے البم سے)، خرم مراد، ادارہ مطبوعات طلبہ،لاہور، ۱۹۸۶ء، ۴۸ص
- حرمت مسکرات (تعلیمات نبویﷺ کی روشنی میں)، سید آل احمد رضوی، ماڈرن بک ڈپو، اسلام آباد، ۸۲ص
- حکمت تدریس (سیرت کے آئینے میں)، ڈاکٹر عبدالرشید ارشد، اسلامی نظامت تعلیم، منصورہ، لاہور، ۱۹۹۵ء، ۲۳ص
- رسول اکرمﷺ اور بنی نوع انسان، ڈاکٹر محمد رفیق مرزا، مترجم: محمد عطاء اللہ، مکتبہ حلقہ و اصلاح فکر، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ۵۶ص
- رسول اکرمﷺ پیغمبر امن و سلامتی، مفتی محمد شفیع، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء ۴۹ص
- رسول اکرمﷺ کا اسوۂ تعلیمی، پروفیسر محمد سلیمؒ، حجاز پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۱ء، ۳۲ص
- رسول اکرمﷺ کی معاشی تعلیمات پر ایک نظر، ڈاکٹر خالد علوی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، ۱۹۸۳ء، ۲۴ص
- رسول اللہﷺ کے نکاح، محمد رفیع مفتی، دانش سرا، ۱۹۹۸ء، ۴۰ص
- رسولِ اکرمﷺ کا اسلوبِ تبلیغ، سید سلیمان ندوی، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء، ۵۳ص
- سرورِ کائنات بحیثیت داعی امن و اخوت، ڈاکٹر انعام الحق، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ۲۰ص
- سیرتِ طیبہ اور عصرِ حاضر، اسلم ملک، اردو ادب اکیڈمی، سیالکوٹ، ۱۹۹۱ء، ۲۵۶ص
- سیرت طیبہ کا پیغام، محمد نور المصطفیٰ، ضیاء اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۵ء، ۱۶ص
- نبی کریمﷺ کا مقصد بعثت اور انقلاب نبی کا سیاسی منہاج، ڈاکٹر اسرار احمد، انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۸۲ء، ۶۰ص
- راز کی حفاظت (تعلیمات نبویﷺ کی روشنی میں)، مولانا عبدالباقی، مترجم: مفتی اورنگ زیب شاہ، موتمر المصنفین، اکوڑہ خٹک ۱۴۲۷ھ، ۲۰۱ص
- سراپا رحمت، مولانا امیر الدین مہر، غزالی اکیڈمی، میرپور خاص، ۲۰۰۸ء، ۶۴۰ص
- علم نبویﷺ اور امور دنیا، مفتی محمد خان، کاروان اسلامی پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ۵۸۴ص
- عہدِ نبویﷺ کا بلدیاتی نظم و نسق، نجمہ راجہ یاسین، مکتبہ معارف اسلامی، ایف بی ایریا۵، کراچی، ۲۰۰۸ء، ۱۷۴ص
- عہد نبویﷺ میں ریاست کا نشو و ارتقا، ڈاکٹر نثار احمد، کتاب سرائے، لاہور، ۲۰۰۸، ۵۰۲ص
- اسوۂ رسولﷺ اور کم سن بچے، بیگم محمد مسعود عبدہ، مکتبہ سلفیہ، لاہور، س، ن، ۲۳۹ص

- رسول اکرم ﷺ کا اسلوبِ انقلاب، تسنیم کوثر، صادق پبلی کیشنز، لاہور،۲۰۰۰ء، ن،م
- اسلام کا عسکری نظام (سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں) تسنیم کوثر، صادق پبلشرز، ۲۰۰۵ء، ۱۹۲ص
- محسن نسواں، حبیب النساء، حرا ایجوکیشنل اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۶ء، ۱۸۹ص
- حالات حاضرہ میں سیرت کا پیغام، رخسانہ جبیں، ڈاکٹر، خواتین میگزین، لاہور، منصورہ، ۲۰۰۷، ۱۷ص
- نبی اکرم ﷺ بطور ماہر نفسیات، سعدیہ غزنوی، ڈاکٹر، الفیصل لاہور، س ن، ۲۱۶ص ☆ ثنا پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۹ء، ۲۱۶ص
- اسوۂ حسنہ اور علم نفسیات، سعدیہ غزنوی، ڈاکٹر، الفیصل ،۱۹۹۳ء، ۱۶۰ص
- تعلیمات نبوی ﷺ اور ہماری زندگی، سیدہ بشریٰ تابش، سیدہ بی بی جی اکیڈمی، ایبٹ آباد، ۱۹۹۵ء، ۱۲۰ص
- سیرت نبوی ﷺ میں عورت کا کردار، اسلامک پبلی کیشنز ،لاہور، ۱۹۹۶ء، ۱۶۴ص
- حصول علم اور خواتین، فرحت ہاشمی، ڈاکٹر، الہدیٰ انٹرنیشنل، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ۲۴ص
- سراجاً منیراً، قاضی ،شاہدہ ناز، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۴ء، ۲۸۸ص
- سیرت النبی ﷺ اور ہماری زندگی، گوہر ممتاز، قاضی، پرنٹ لنک کمپیوٹر بیورو، کراچی، ۱۹۹۵ء، ۲۴۲ص
- پیغمبر امن، ظفر محمود احمد، حکیم، مکی دارالکتب، لاہور، ۲۰۰۹ء، ۸۴۴ص
- قتل اور خانہ جنگی کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات، عثمانی، محمد تقی، مفتی، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۰۹ء، ۸۸ص
- پیغمبر امن و آشتی، محمد رفیق، پروفیسر مولانا، لاہور، مکتبہ قرآنیات، ۲۰۰۹ء، ۲۶۴ص
- نبی اور دعوت اسلام کا مستقبل، مروان فلیفات، مترجم: مرغوب عالم عسکری، تہران، مرکز الابحاث العقائدیہ، ۱۴۲۹ھ، ۱۲۲ص
- آنحضرت ﷺ بحیثیت جاسوسی نظام، محمد حفیظ احمد، لاہور، مزمل پبلی کیشنز، س، ن، ۱۲۰ص
- رسول اللہ میدانِ جنگ میں، احسان بی، اے، پاک پبلشرز ،کراچی، ۱۹۶۸ء، ۲۵۸ص
- رسول اللہ ﷺ میدانِ جنگ میں، سید واجد رضوی، لاہور، مکتبہ مدینہ، ۱۹۹۲ء، ۳۱۱ص
- مسلم اصول جنگ (سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں)، مولانا غلام غوث ہزاروی، راولپنڈی، ہفت روزہ اخبار الجمعیۃ، س، ن، ۲۳۱ص

✲ نبی کریم ﷺ کی فوجی حکمتِ عملی، محمد یاسین سروہی، لاہور، مشتاق بک کارنر، ۲۰۰۶ء، ۲۱۶ص

۱۳۔خطابتی اسلوب

اردو سیرت نگاری میں خطابتی اسلوب خاصے عرصے سے موجود ہے۔ خطابتی اسلوب میں ایک افادیت کا پہلو یہ پایا جاتا ہے کہ خطبے کو جب معمولی ترمیم کے بعد تحریری پیراہن عطا ہوتا ہے تو خطابت کی روانی اور جاذبیت تحریر کا حصہ بن جاتی ہے، یوں محاضرات اور خطبات پر مشتمل تحریریں عام کتب سے زیادہ دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔سیرت میں خطابتی اسلوب کی حامل کتب کی اشاعت اور ان کی مقبولیت اس کی شاہد ہیں۔

اس سلسلے کی سب سے اہم کتاب علامہ سید سلیمان ندوی کی ''خطباتِ مدراس'' ہے۔ یہ اپنے موضوع کی نہایت اہم کتاب ہے۔یہ کتاب اس موضوع پر نہ صرف یہ کہ رجحان ساز ثابت ہوئی بلکہ بلا خوف و تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی مثال پورے سیرت لٹریچر میں موجود نہیں۔یہ آپ کے آٹھ خطبے ہیں جو آپ نے مدراس کے لالی ہال میں دیے تھے۔ آپ کے خطبات کا یہ سلسلہ اکتوبر ۱۹۲۵ء کے پہلے ہفتے سے شروع ہو کر نومبر ۱۹۲۵ء کے آخری ہفتے میں ختم ہوا۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے یہ خطبات اسلام کی آفاقیت اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرتِ مبارکہ کی عالم گیریت، ہمہ گیریت اور جامعیت و کمال کا نہایت کمال کے ساتھ احاطہ کرتے ہیں۔ان خطبات کے موضوعات سے ہی یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ خطبات سیرت کے عالمی ادب میں کس قدر نمایاں اور فائق مقام رکھتے ہیں۔ان خطبات کے عنوانات یہ ہیں:

۱۔ انسانیت کی تکمیل صرف انبیا علیھم السلام کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے۔

۲۔ عالم گیر اور دائمی نمونۂ عمل صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے۔

۳۔ سیرت محمدی ﷺ کا تاریخی پہلو

۴۔ سیرتِ محمدی ﷺ کا تکمیلی پہلو

۵۔ سیرتِ محمدی ﷺ کی جامعیت

۶۔ سیرتِ محمدی ﷺ کا عملی پہلو یا عملیت

۷۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا پیغام

۸۔ پیغامِ محمدی، عمل

یہ خطبات سیرتِ طیبہ کا حاصل بھی کہے جا سکتے ہیں اور خلاصہ بھی، مگر ان خطبات کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ یہ کئی معنی میں نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے امتیاز اور اس کے عالم گیر اثرات کو اس طرح ذہن نشین کراتے ہیں کہ مرعوبیت کے تمام بادل ذہن سے چھٹ جاتے ہیں۔ ان خطبات کی ایک خوبی یہ بھی

ہے کہ یہ ایسے ماحول میں دیے گئے جب مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقے میں مستشرقین کی علمی سرگرمیوں کا غلغلہ تھا، جن کے اثرات سے جدید اذہان متاثر ہو کر شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے تھے۔سید صاحب کے ان خطبات نے اس فضا کو صاف کرنے اور صحیح صورتِ حال قلوب و اذہان میں راسخ کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ان خطبات کا اسلوب عالمانہ مگر اندازِ بیان انتہائی سادہ وسلیس ہے جس کے سبب یہ خطبات از خود ذہن نشین ہوتے اور دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔یہی سبب ہے کہ یہ کتاب انتہائی مقبول ہوئی اور آج بھی اس کے دسیوں ایڈیشن بازار میں موجود ہیں۔اس کتاب کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس نے سیرت طیبہ پر محاضرات اور خطبات کا ایک اسلوب رائج کیا، مجیب اللہ ندوی کے بقول اس کتاب نے مسلم قوم کو سیرتِ نبویﷺ پر بولنے اور لکھنے کا ایک نیا ماخذ دیا، اس کی بدولت کتنے لوگوں کو سیرت پر بولنا آ گیا(۸۸)۔

غالباً اسی عہد میں یا اس سے قبل معروف سیرت نگار علامہ محمد سلیمان منصور پوری کے چار خطبات بھی سیرت کے حوالے سے سامنے آئے، یہ ''سید البشر'' کے نام سے شائع ہوئے۔ یہ مختصر کتاب ۱۱۱ صفحات پر مشتمل ہے(۸۹)۔

ان کے بعد مولانا عبد الماجد دریابادی کے خطبات ہیں جو جنوری ۱۹۵۷ء میں مدارس میں دیے گئے تھے اور بعد میں ''سیرت نبوی قرآنی'' کے نام سے شائع ہوئے اور اس کے بعد مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔سیرت طیبہ کو قرآن حکیم کی روشنی میں جاننے اور سمجھنے کی یہ پہلی اور اب تک کی سب سے وقیع کوشش قرار دی جا سکتی ہے۔مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے یہ خطبات بھی نہایت اہمیت کے حامل ہیں اس لیے کہ ان میں موجود معلومات اور مولانا کا اسلوب دونوں پہلو اس کتاب کی افادیت کے شواہد ہیں۔

سیرت طیبہ پر چند مختصر خطبات ڈاکٹر حمید اللہ کے بھی موجود ہیں، جو خطبات بہاول پور کے علاوہ ہیں، یہ خطبات حیدر آباد دکن میں دیے گئے تھے۔ کافی عرصے کے بعد ان خطبات کا نیا ایڈیشن کتب خانۂ سیرت کراچی کے زیرِ اہتمام سامنے آیا ہے۔

خطباتِ مدراس کے بعد خطابی اسلوب میں سب سے اہم کتاب جو مقبول ہوئی وہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ''خطباتِ بہاول پور ہے'' ۔یہ خطبے ۸ مارچ سے ۲۰ مارچ ۱۹۸۰ء تک اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں دیے گئے، اور فاضل محقق و مقرر کی عنداللہ قبولیت کی یوں علامت ثابت ہوئے کہ آج خطباتِ بہاول پور کے نام سے ایک زمانہ واقف ہے۔یہ خطبات اصلاً اسلامی نظام کے ایک مجموعی تأثر کو پیش کرتے ہیں، اس لیے یہ

۸۸- حافظ مجیب اللہ ندوی، **تحریکِ ندوۃ العلما اور سید صاحب**، مشمولہ معارف، اعظم گڑھ، سلیمان نمبر، ص ۹

۸۹- محمد سلیمان منصور پوری، **سید البشر**، فیصل آباد، طارق اکیڈمی، ص ۱۱۱

علومِ اسلامی کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہیں مگر ان کا بڑا حصہ سیرتِ طیبہ سے بحث کرتا ہے خصوصاً اس کے چھ سات خطبات تو براہِ راست سیرتِ طیبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن میں قانون بین الممالک، مملکت اور نظم و نسق، نظامِ دفاع اور غزوات، نظامِ تعلیم اور سرپرستیٔ علوم، نظامِ تشریع و عدلیہ، نظامِ مالیہ و تقویم، تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ۔ یہ خطبات اس بنا پر بھی رجحان ساز کہے جا سکتے ہیں کہ ان کے بعد اردو میں محاضرات اور خطبات کا ایک طویل سلسلہ قائم ہوا جن میں ڈاکٹر محمود احمد غازی کا سلسلۂ محاضرات بھی شامل ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے جس درجے قریبی تعلق رکھتے تھے اس کا اظہار ان کے سلسلۂ محاضرات سے یوں بھی ہوتا ہے کہ اس کی ہر جلد خطباتِ بہاول پور کی طرح بارہ خطبوں پر مشتمل ہے۔

چند برس قبل جامعہ اشرفیہ لاہور میں علامہ سید سلیمان ندوی کے صاحب زادے اور ڈربن یونیورسٹی ساؤتھ افریقہ کے سابق پروفیسر ڈاکٹر سید سلمان ندوی کے آٹھ خطبات ہوئے، جو ''خطبات سیرت'' کے عنوان سے چھپ چکے ہیں۔ ان کے عنوانات یہ ہیں :

۱- اسلام سے قبل عرب کے مذہبی، سماجی اور سیاسی پس منظر کا تجزیہ
۲- پہلی وحی اور اس کے اثرات
۳- قریش کی طرف سے شدید مزاحمت کی وجوہات
۴- معراج کی حقیقت و اہمیت اور نتائج مجالس عقبہ
۵- ہجرت مدینہ تاریخ اسلام کا نقطۂ انقلاب
۶- میثاق مدینہ کی ضرورت اور اس کی اہمیت
۷- نمایاں غزوات، بدر، احد اور خندق اور ان کے اسباب اور دور رس نتائج
۸- صلح حدیبیہ، ایک کھلی کامیابی۔ (ڈاکٹر سید سلمان ندوی/ خطباتِ سیرت۔ لاہور، قرشی فاؤنڈیشن، س ن۔ ۱۶۰ص)

حال ہی میں ایک اور وقیع کام ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی کے خطبات کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ یہ آٹھ خطبات نبی کریم ﷺ کے صرف عہد مکی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ ''مکی اسوۂ نبویؐ'' کے نام سے انڈیا سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ دو کتابیں اس سلسلے میں اور ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک مولانا سید سلیمان حسنی ندوی کے ''خطبات سیرت'' ہیں، یہ تین خطبے بنگلور میں دیے گئے تھے۔ یہ کام اگرچہ ضخیم ہے، مگر بیانیہ نوعیت کا ہے، جس میں پوری سیرت طیبہ کو مرحلہ وار بیان کیا گیا ہے[۹۰]۔

۹۰- مولانا سید سلیمان حسنی ندوی، **خطبات سیرت**، کراچی، زمزم پبلشرز، ص ۴۱۲

دوسری کتاب تقاریر سیرت ہے، یہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی چند عوامی تقریروں کا مجموعہ ہے[۹۱]۔

البتہ سلسلۂ محاضراتِ سیرت کی ایک اہم اور حالیہ کڑی ڈاکٹر محمود احمد غازی کے ''محاضراتِ سیرت'' ہیں، جو اُنھوں نے ۲۴جولائی سے ۵ اگست ۲۰۰۶ء تک اسلام آباد میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے زیر اہتمام پیش کیے۔ اُن کے عنوانات درج ذیل ہیں:

- مطالعۂ سیرت کی ضرورت و اہمیت
- سیرت اور علومِ سیرت، ایک تعارف
- چند نامور سیرت نگار اور اہم کتبِ سیرت، ایک جائزہ
- علمِ سیرت، آغاز، تدوین، ارتقا، توسیع
- سیرت نگاری کے مناہج و اسالیب
- ریاستِ مدینہ، دستور اور نظامِ حکومت
- ریاستِ مدینہ، معاشرت اور معیشت
- کلامیاتِ سیرت
- فقہیاتِ سیرت
- مطالعۂ سیرت، پاک وہند میں
- مطالعۂ سیرت، دورِ جدید میں
- مطالعۂ سیرت، مستقبل کی ممکنہ جہتیں

حقیقت یہ ہے کہ فنِ سیرت، علوم سیرت اور سیرت نگاری کے حوالے سے یہ محاضرات خاص انفرادیت کے حامل ہیں۔ خصوصاً فقہیاتِ سیرت اور کلامیاتِ سیرت پر فاضل مقرر کی گفتگو مجتہدانہ بصیرت کی عکاس ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سیرت نگاری کے اسلوب، مناہج اور خصائص پر بھی تفصیل سے گفتگو کی ہے اور بتایا ہے کہ سیرت نگاری نے آغاز سے لے کر اردو سیرت نگاری تک کیا کیا مدارج طے کیے، اور کن کن مراحل سے گزر کر آج وہ ہم تک پہنچی ہے۔ڈاکٹر صاحب چونکہ علومِ اسلامی کی تاریخ کے ساتھ ساتھ علومِ قرآنی، علومِ حدیث،فقہ و اصول الفقہ،قانون بین الممالک وغیرہ علوم وفنون پر مجتہدانہ دسترس رکھتے تھے اس بنا پر ان کے خطبات نہ صرف یہ کہ علومِ سیرت کا جامعیت سے احاطہ کرتے ہیں اور وہ فنِ سیرت کے ان پہلوؤں سے اپنے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں جو ان سے قبل عام قارئین کی نظروں سے اوجھل تھے، بلکہ وہ دیگر

۹۱- مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، **تقاریر سیرت**، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۲۰۰۰ء، ص۱۶۰

علوم و فنون میں اپنی مہارت کو بھی فنِ سیرت کے بیان کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محاضراتِ سیرت میں جا بجا ہمیں تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول الفقہ کے حوالے اور اصطلاحات نظر آتی ہیں۔ اسلوب کے لحاظ سے بھی ڈاکٹر غازی صاحب کے یہ خطبات ڈاکٹر حمید اللہ کے خطباتِ بہاول پور کی توسیع محسوس ہوتے ہیں، کیوں کہ ان میں ٹھوس علمی انداز اختیار کیا گیا ہے مگر اسلوب کی جاذبیت اور زبان کی چاشنی کی وجہ سے قاری کی دلچسپی نہ صرف یہ کہ آخر تک برقرار رہتی ہے بلکہ اس موضوع پر مزید پڑھنے کا رجحان اس میں بیدار ہوتا ہے۔

''محاضراتِ سیرت'' کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے ''خطباتِ بہاول پور''(۲) بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ جو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ''خطباتِ بہاول پور'' کے سلسلے کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں ہی ۱۹۹۵ء میں دیے گئے تھے۔ یہ خطبات قانون بین المما لک سے تعلق رکھتے ہیں مگر اس کے چند خطبے براہِ راست سیرتِ طیبہ سے متعلق ہونے کے ساتھ ساتھ تمام خطبات میں سیرت و متعلقاتِ سیرت سے استفادہ موجود ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس کے خطبات اسلام کا قانون بین المما لک، ایک تقابلی جائزہ۔ اسلام کا تصورِ ریاست بین الاقوامی تناظر میں۔ ہجرت اور اس کا فلسفہ، بین الاقوامی تعلقات کے تناظر میں۔ اسلامی ریاست اور غیر مسلموں سے اس کے تعلقات۔ اسلام کا تصورِ جنگ اور قانونِ جنگ۔

سیرتِ طیبہ کے مختلف موضوعات پر ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مزید خطبات بھی اہمیت کے حامل ہیں جن میں مطالعۂ سیرت اور مستشرقین کے عنوان سے دیا گیا خطبہ نہایت اہم ہے، یہ خطبہ اپنے انتقال سے کوئی دو ماہ قبل دارالعلم والتحقیق کے زیرِ اہتمام چوتھے مولانا سید زوار حسین یادگاری خطبے کے طور پر ارشاد فرمایا تھا اور ضروری نظرِ ثانی کے بعد ''ششماہی السیرۃ'' کے ۲۵ ویں شمارے کے گوشہ ڈاکٹر محمود احمد غازی کا حصہ ہے۔

❀❀❀❀❀